

مطبعة مطبوعات أكاديمية الشاه ولي الله الدهلوی

# قصص انبیاء رموز اور ان کی حکمتیں

ترجمہ: تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء

تالیف

حجرت الاسلامیہ، الشاہ ولی اللہ دہلوی

۱۱۶۴ھ - ۱۱۷۶ھ

مترجم  
مولانا غلام مصطفیٰ القاسمی

اکادمیہ الشاہ ولی اللہ دہلوی  
صدر خیبر آباد، پاکستان



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ  
قُلْ اطِيعُوا اللّٰهَ  
وَاطِيعُوا الرَّسُوْلَ

مجلس التحقیق الاسلامی اربنہ

معدت البریری

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

## معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب و سنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

### تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے  
کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی  
کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے  
درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

✉ [KitaboSunnat@gmail.com](mailto:KitaboSunnat@gmail.com)

🌐 [www.KitaboSunnat.com](http://www.KitaboSunnat.com)



قصص انبیاء

۷

رموز اور ان کی حکمتیں

ترجمہ: تاویل الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی

مترجم  
مولانا غلام مصطفیٰ قاسمی

شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد سندھ



بار اول،  
طالب و ناشر:  
مطبع:  
قیمت:  
۶۱۹۶۹  
غلام مصطفیٰ تاسمی  
یکمبوج پریس۔ لاہور  
تین روپے



# فہرست

|    |                              |
|----|------------------------------|
| ۵  | پیش لفظ                      |
| ۷  | اہل باطن اور صوفیا کا مسلک   |
|    | تاویل الاحادیث میں تاویل سے  |
| ۱۲ | کیا مراد ہے                  |
| ۱۵ | کتاب کے مطالب کا اجمالی بیان |
| ۲۷ | مقدمہ                        |
| ۵۶ | آدم و اورسین علیہما السلام   |
| ۶۵ | نوح اور ان کے متبعین         |
| ۶۸ | حضرت ہود اور حضرت صالح       |
| ۷۲ | ابراہیم و آلہ                |
| ۸۶ | یوسف علیہ السلام             |



- ۹۱ ایوب علیہ السلام  
۹۲ شعیب علیہ السلام  
۹۶ موسیٰ و ہارون علیہما السلام  
۱۱۸ شمویل و داؤد و سلیمان و یونس علیہم السلام  
۱۳۷ زکریا، مریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام  
۱۴۴ نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم



## پیش لفظ

یہ اردو ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی عربی تصنیف "تاریخ الاحادیث فی رموز  
قصص الانبیاء" کا ہے۔ قرآن مجید میں بہت سے انبیاء کے قصے مذکور ہیں۔ یہ تمام قصے  
اجمالاً اور تفصیلاً ہر سورہ کے اسلوب کے اقتضا کے موافق مختلف طریقوں سے بیان کئے  
گئے ہیں۔ ان میں سے بعض قصے تو بہ تکرار بیان ہوئے ہیں۔ اور بعض قصوں کے واقعات فقط  
ایک یا دو جگہ مذکور ہیں۔ ہمارے مفسرین نے جب قرآن مجید کی تفسیریں لکھیں تو ان میں  
سے بعض نے بنی اسرائیل سے عروسی روایات کی مدد سے جو ان کے ہاں ان انبیاء کے  
متعلق مشہور تھیں، قرآن مجید میں مذکور ان قصص کے بارے میں حکایات و روایات کا  
ایک طویل جمع کر دیا۔ اور اس طرح یہ بد قسمتی سے "اسرائیلیات" ہمارے علم تفسیر کا ایک  
حصہ بن گئیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب "الفوز الکبیر" میں لکھتے ہیں۔ تفسیر کے ضمن  
میں اسرائیلی روایات کا نقل کرنا ایک ایسی بلا ہے جو ہمارے دین میں داخل ہو گئی ہے۔  
شاہ صاحب نے قرآن مجید کے معانی و مطالب کو پانچ علوم میں منقسم کیا ہے۔

۱۔ الفوز الکبیر ۲۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے الفوز الکبیر میں تفصیل سے بتایا ہے کہ قرآن مجید کے  
کون سے قصے بہ تکرار بیان ہوئے ہیں اور انبیاء کے کون سے واقعات ایک یا دو جگہ مذکور ہیں؟



ان میں سے ان کے نزدیک ایک علمِ ایامِ اللہ ہے۔ جس کا تعلق قصص الانبیاء سے ہے۔  
 "الفوز الکبیر میں وہ اس کی تشریح یوں فرماتے ہیں :- ایام اللہ یعنی وہ واقعات جن کو  
 خداوند تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ مثلاً فرماں برداروں کے لیے انعام اور نافرمانوں کے  
 لیے عذاب۔ ان میں سے ایسی جزئیات کو اختیار فرمایا جو پیشتر ان عربوں کے گوشِ نہ  
 ہو چکی تھیں۔ اور وہ اجمالی طور پر ان کا تذکرہ سن چکے تھے۔ مثلاً قوم نوح و عاد و ثمود کے  
 قصے جن کو عرب اپنے باپ دادا سے مسلسل سنتے آئے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ اور  
 انبیاء بنی اسرائیل کے قصص، جن سے کہ عرب یہود کے ساتھ قرنِ ہاتریں سے احتلاط کی  
 وجہ سے آشنا تھے۔ اس ضمن میں نہ تو غیر مشہور اور غیر مانوس قصوں کو بیان کیا اور نہ عام  
 یہود کی جزا و سزا کے واقعات کی خبریں دیں۔ اور مشہور قصوں میں سے بھی صرف ان ضروری  
 قصوں کا ذکر فرمایا، جو نصیحت و تذکیر کے لیے کارآمد ہوں۔ اور تمام قصوں کو ان کی جملہ  
 خصوصیات کے ساتھ بیان نہیں کیا۔

انبیاء کے قصص کو قرآن میں اس طرح بیان کرنے کی شاہ صاحب کے نزدیک  
 حکمت و مصلحت یہ ہے کہ عوام الناس جب کوئی عجیب و غریب داستان سنتے ہیں  
 یا کوئی داستان اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ان کے سامنے بیان کی جاتی ہے تو  
 ان کی طبیعت محض اس داستان کی طرف مائل ہو جاتی ہے۔ اور تذکیر کا مقصد جو داستان  
 بیان کرنے کی اصل غرض ہوتی ہے فوت ہو جاتا ہے۔ اسی لیے بعض قصے قرآن مجید  
 میں بتکرار بیان ہوئے ہیں۔ اور بعض کا ذکر ایک یا دو جگہ آیا ہے۔ شاہ صاحب  
 "الفوز الکبیر میں اس کا تذکرہ کرنے کے بعد فرماتے ہیں :-

"ان تمام قصوں سے یہ مقصود نہیں کہ صرف ان واقعات سے آگاہی حاصل



ہو جاتے۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان سے سننے والوں کے ذہن شرک اور معاصی کی بُرائی کی جانب منتقل ہوں۔ اور وہ کفار پر عذابِ خداوندی کا اور مخلصین کے خدا تعالیٰ کی عنایت سے مطمئن ہونے کا ادراک کریں

اکثر مفسرین نے ان قصص کی تفسیر میں طویل اسرار سی روایات کی بھرمار کر کے ان قصص کی جو اصل غرض نصیحت و تذکیر تھی، اسے نظر انداز کر دیا تھا۔ اور ان قصص نے ایک افسانوی حیثیت سی اختیار کر لی تھی۔ ان کے برعکس شاہ صاحب نے اس کتاب میں قصص الانبیاء کی تفصیل نہیں، رموز بتاتے ہیں اور پھر رموز کی بھی تاویل فرمائی ہے۔

بیشک شاہ صاحب نے اس کتاب میں "قصص الانبیاء" کے "رموز" بیان کئے ہیں۔ لیکن ان سے پہلے ایک

**اہل باطن اور صوفیا کا مسلک**

عزت دراز سے علوم باطنی کے مدعی اصحاب اور صوفیا بھی قرآن میں مذکور ان قصص کے "رموز" بیان کرتے چلے آئے ہیں۔ اس ضمن میں وہ جو عجیب و غریب معانی اخذ کرتے اور اپنے مخصوص باطنی مسکوں کی تائید کے لیے انہیں بطور شواہد پیش کرتے تھے، شاہ صاحب اس کتاب میں اُس راہ پر نہیں چلے۔ مثال کے طور پر پہلے سے سامنے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی ۶۳۸ھ (۱۲۴۰ء) ہیں۔ ان کا تصوف کی علمی و فکری تاریخ اور خود صوفیہ پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے۔ اور خود شاہ ولی اللہ بھی ان سے بہت متاثر ہیں۔ شیخ ابن عربی نے اپنی مشہور کتاب "فصوص الحکم" میں انبیاء کے قصص ہی کو اپنا موضوع بنایا ہے۔ اور ان سے اپنے فلسفہ وحدت الوجود کے افکار و خیالات کا استخراج کیا ہے۔ کتاب میں ستائیس فصل (فصوص کی واحد) ہیں۔ اور ہر فصل ایک

۱۰ فصل ہوتی تھی جو انگریزی میں لگایا جاتا ہے۔ اسے نگینہ کہتے ہیں۔



نبی سے منسوب ہے۔ چند نصوص کے نام یہ ہیں، کلمہ آدمیتہ کا نصح حکمت الہیہ۔ کلمہ اربعہ  
 کا نصح حکمت الہمیہ۔ کلمہ موسویہ کا نصح حکمت علویہ۔ کلمہ عیسویہ کا نصح حکمت نبویہ اور  
 آخر میں کلمہ محمدیہ کا نصح حکمت فردیہ۔

ابن عربی ان نصوص میں سے ہر نصح میں وہ آیات قرآنی اور احادیث نبوی بطور سند  
 کے لاتے ہیں، جو اس نبی سے متعلق ہیں۔ جن سے کہ وہ نصح منسوب ہے۔ اس سلسلے  
 میں وہ ہر نبی کا قصہ اُس طرح بیان کرتے ہیں۔ جیسا کہ وہ قرآن میں وارد ہوا ہے۔ اور جیسا کہ  
 مسلمان جمہور بالعموم اسے جانتے ہیں۔ لیکن وہ قصے سے اپنے مطلب کے معانی اخذ  
 کرتے اور اس کی باطنی تعبیر کرتے ہیں۔ ابن عربی نے "نصوص الحکم" میں انبیاء کو انسان  
 کامل کے مختلف نمونوں اور صورتوں کی شکل میں پیش کیا ہے۔ اور ان کے نزدیک انسان  
 کامل ہی اللہ کو اس طرح جانتا ہے، جیسا کہ اسے جاننے کا حق ہے۔ چنانچہ انہوں نے  
 ہر نبی کی زبان سے اللہ کی معرفت کے اس پہلو کی ترجمانی کرائی ہے، جو اُس نبی کے  
 لیے ان کے خیال میں مخصوص تھی۔ مثال کے طور پر شیخ اکبر کے نزدیک حضرت آدم  
 خلافت انسانیہ کے معنی کے ترجمان ہیں۔ یہاں آدم سے ان کی مراد حضرت آدم ابو البشر  
 نہیں۔ بلکہ پوری جنس بشری ہے۔ یا اسے آپ حقیقت انسانیہ کہہ لیجئے۔ ان کے نزدیک  
 اسی حقیقت انسانیہ میں کمالات الہی اپنی عظیم ترین صورت میں تجلی آفریز ہوتے ہیں۔  
 نصح آدم میں ابن عربی بتاتے ہیں کہ آدم ہی وہ الہی صورت ہے جو تمام حقائق وجود پر جامع  
 ہے۔ اس کے بعد کی نصح شیت ہے۔ ان کے نزدیک (حضرت) شیت میں حق کی ایک  
 اور تجلی ہوئی۔ اور وہ تجلی وہ ہے، جو ہر موجود کو وجود بخشی ہے۔ نصح نوح میں حکمت سبوت  
 بیان کی گئی ہے۔ اور اس نصح کا محور ہے تشبیہ و تنزیہ جو حقیقت لکھنے کے درخشاں ہیں۔



اور حقیقت کلبہ ہی وجود ہے۔ فصّ ابراہیمی میں حکمتِ ہیمیہ پیش کی گئی ہے۔ ہمایم اور ہیجان سے مراد افراطِ عشق ہے۔ ابن عربی کے نزدیک یہ ابراہیم ایک خاص نبی نہیں۔ بلکہ یہ ایک رمز ہیں انسانِ کامل کی نوع کی۔ اور انسانِ کامل وہ ہے جس میں تمام اسماء و صفاتِ الہی پوری طرح سخیل نگیں ہوتی ہیں۔ ساتویں فصّ اسماعیلی ہے اور اس میں بقول ابن عربی حق اور خلق یا واحد اور کثرت کے باہمی تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ایوب کو جن تکلیفوں سے گزرنا پڑا وہ جسمانی نہیں بلکہ وہ ان کی جدوجہد تھی۔ معرفتِ حق تک پہنچنے کے لیے۔

حجاء کے خلاف۔ حضرت واؤد اور حضرت سلیمان میں خلافتِ ظاہری اور خلافتِ باطنی ہر دو متمثل ہوئیں۔

غرض شیخ اکبر تاویل کے اپنے خاص طریقے سے انبیاء کے قصص کے ضمن میں ان سے متعلق آیات و احادیث سے حسبِ مراد معانی کا استخراج کرتے ہیں۔ اگر آیت و حدیث سے ظاہری طور پر ان کے مسلک کی تائید ہوتی ہو۔ خواہ الفاظ تشبیہ و نجس پر ہی دلالت کریں، ان سے اختیار کر لیتے ہیں۔ ورنہ وہ ان کی تاویل کرتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ لیکن ان کا یہ طریقہ تاویل کسی حد میں نہیں رہتا۔ وہ جس لفظ سے جو معنی چاہتے ہیں لے لیتے ہیں۔ مثلاً حضرت ایوب کے ذکر میں قرآن میں آیا ہے: اِنِّی مُسْتَسْتَجِیْ السَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّ مَدَآئِبٍ وہ یہاں شیطان کے معنی معرفتِ حق سے دُوری کے کرتے ہیں۔ یہ ہے باطن کی وہ زبان جس میں شیخ اکبر نے قصص الانبیاء کے رموز بیان کیے ہیں۔ گو اس کتاب میں رموز قصص الانبیاء بیان کرتے وقت شاہ صاحب کے سامنے یہ سب کچھ تھا۔ لیکن باوجود صوفی ہونے اور احوالِ باطنی سے غیر معمولی شغف رکھنے نیز شیخ اکبر ابن عربی کے عقیدت مند اور ان سے متاثر ہونے کے قصوں کے رموز و حکم



کے بیان میں وہ واقفیت اور حقیقت سے فہم نہیں گئے۔ اور انہوں نے الفاظ سے ہی مفہوم لیا، جس کے وہ الفاظ متحمل ہو سکتے تھے۔ شاہ صاحب کے فکر میں ثبات اور علمی گہرائی کی یہ سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور اس سے ان کے فکر کی حقیقت پسندی کا ثبوت ملتا ہے۔ شاہ صاحب ہیں ایک طرف تاریخیت ہے۔ یعنی وہ شیخ ابن عربی کی طرح تاریخ کے ان محسوس حقائق کو محض باطنی رموز بنا کر پیش نہیں کرتے۔ دوسری طرف ان میں باطنی معنی ہے کہ وہ ان حقائق کے باطن میں جاتے ہیں۔ اور ان سے رموز اخذ کرتے ہیں۔ غرض ان کی ذات میں عالم اور صوفی دونوں جمع ہیں۔ اور یہی چیز انہیں ان امور میں شیخ اکبر ابن عربی سے ممتاز کرتی ہے۔

اس ضمن میں "الفوز الکبیر" سے ہم یہاں ایک اقتباس دیتے ہیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ مفسرین کی مختلف جماعتیں ہیں۔ ایک نے آثار و روایات کو مطلع نظر بنایا۔ یہ محدثین تھے۔ ایک نے اسماء و صفات کی آیات کی تاویل کی۔ یہ تنزیہ حق جل و علا کی خاطر الفاظ کے ظاہری معنی نہیں لیتے۔ یہ متکلمین تھے۔ فقہانے مسائل فقہ کے استنباط کو مرکز توجہ بنایا۔ نحویں اور اہل لغت نے قرآن کی لغات کی تشریح کی۔ ادباء نے قرآن سے علم معانی اور علم بیان کے نکات نکالے۔ اور تاریخوں نے قرآن کی قراءتوں کی مسلسل روایات کو بیان کیا۔ کچھ لوگ علم سلوک یا علم حقائق کے نکات کو بن کی کہ الفاظ سے ادنیٰ اسی مناسبت ہوتی ہے، بیان کرتے ہیں۔ یہ صوفیوں کا طریقہ ہے۔

اسلامی تاریخ کے ہر دور میں تفسیر القرآن پر جو کثرت کتابیں لکھی گئیں تو اس کی وجہ شاہ صاحب کے نزدیک یہ تھی کہ ہر مسلمان قرآن کو سمجھنا چاہتا ہے۔ اور اپنی علمی استعداد اور رجحان کے مطابق وہ اس سے معانی اخذ کرتا اور انہیں پیش کرتا ہے۔



اس طرح فن تفسیر

نے بے پایاں وسعت حاصل کر لی۔ اور اس میں اس کثرت سے کتابیں لکھی گئیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں مفسرین کے ایک گروہ نے اس امر کی کوشش کی کہ وہ ان تمام علوم کو اپنی کتابوں میں کچا کریں پھر اس ضمن میں وہ اپنا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

اِس فقیر کو الحمد للہ ان تمام فنون میں خاص مناسبت حاصل ہے۔ اور علوم تفسیر کے اکثر اصول اور ایک محقول تعداد اس کے فروع کی معلوم ہے۔ اور اس کے ہر فن میں اجتہاد فی المذہب کے قریب قریب تحقیق و استقلال حاصل ہو گیا۔ اس کے علاوہ فنون تفسیر کے دو تین اور فن بھی فیض الہی کے نامتناہی دریائے القا محضے ہیں۔ اگر بصریح پوچھتا ہے تو میں قرآن مجید کا بلا واسطہ ایسا ہی شاگرد ہوں جیسا کہ روح پر فتوح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا اولیٰ ہوں۔“

فنون تفسیر کے دو تین اور فن جن کا شاہ صاحب کے ارشاد کے مطابق انہیں فنون الہی سے القا ہوا ان میں سے ایک فن کا ما حاصل کتاب تالیف الاحادیث فی رموز قصص الانبیاء ہے جس کا یہ اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

اے بغیر کسی واسطہ کے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسب فیض کرنا تصوف میں طریقہ اولیٰ کہلاتا ہے۔



اس بارے میں شاہ صاحب الفوز الکبیر میں فرماتے ہیں :-  
 علم تفسیر کے ان وہی علوم میں سے جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ  
 کیا، انبیاء علیہم السلام کے قصوں کی تاویل بھی ہے۔ فقیر نے اس فن  
 کا ایک رسالہ تاویل الاحادیث کے نام سے تالیف کیا ہے۔ اور تاویل  
 سے مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے جس زمانہ میں جو تدبیر چاہی ہے، اس  
 کی رو سے ہر ایسے قصے کے لئے جو اس وقت واقع ہوا ہے ایک  
 مبداء پیغمبر اور اس کی قوم کی استعداد سے ہوتا ہے۔ اور گویا انہیں معنی  
 کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔ "وَأَعْلَمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ  
 الْأَحَادِيثِ"

اس مضمون کی اصل فارسی عبارت یہ ہے :-

از علوم دہرہ در علم تفسیر کہ باں اشارت کردیم تاویل قصص انبیاء است علیہم السلام  
 و فقیر پائے این فن رسالہ تالیف کردہ است مسماة بتاویل الاحادیث۔ و مراد از تاویل  
 آنست کہ ہر قصہ کہ واقع شدہ آنرا مبداء می باشد۔ از استعداد پیغمبر و قوم او تدبیر سے  
 کہ خدائے تعالیٰ در آن وقت خواستہ است۔ و گویا بر ہمیں معنی اشارہ رفتہ است در  
 آیت "وَأَعْلَمُكَ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ"

القاموس میں ہے :- تاویل اور تفسیر دونوں کا ایک

ہی مفہوم ہے۔ جمع الجوامع میں ہے :- ظاہر کلام

کو غالب احتمال پر معمول کرنا تاویل ہے۔ امام غزالی

تاویل الاحادیث میں تاویل

سے کیا مراد ہے

اصطفیٰ مغفوات القرآن میں اس کی تشریح یوں کرتے ہیں :- "التَّأْوِيلُ رَدُّ الشَّيْءِ

إِلَى كِتَابِ الْفُوزِ الْكَبِيرِ أَصْلُ نَارِسِي مِثْلُ هَذَا يَهْدِي إِلَى هَذَا (باقی اگلے صفحہ پر)



إِلَى الْغَايَةِ الْمُرَادَةَ مِنْهُ قَوْلًا وَفِعْلًا  
 (تاویل کے معنی کسی شے کو اس غایت کی طرف لوٹانے کے ہیں۔ جہاں اس سے مقصود ہو  
 خواہ قول میں خواہ فعل میں)

ابن الکمال اس ضمن میں آیت: "مُخْرِجُ الْحَيِّ مِنَ الْمَيِّتِ" کی مثال دیتے ہیں۔  
 اگر اس سے انڈے میں سے بچے کا نکلنا مراد لیا جائے تو یہ تاویل ہے۔ اسی طرح اگر  
 اس سے کافر کا مومن اور جاہل کا عالم ہونا مراد لیا جائے تو یہ بھی تاویل ہے۔  
 مولانا ابوالکلام آزاد نے تاویل اور تاویل الاحادیث کی ترجمان القرآن میں یہ تشریح کی  
 ہے۔ سورہ یونس کی تفسیر میں "وَمَا يَأْتِيهِمْ تَأْوِيلُهُ" کے تحت لکھا ہے:-  
 عربی میں تاویل کے معنی کسی بات کے نتیجہ اور مال کے ہیں۔ اور چونکہ الفاظ کے معانی بھی ان  
 کی دلالت کا مال و مصداق ہوتے ہیں۔ اس لئے مطالب و معانی پر بھی اس کا اطلاق  
 ہونے لگا۔ لیکن قرآن نے یہ لفظ ہر جگہ لغوی معنی میں استعمال کیا ہے۔ "مولانا آزاد لکھتے  
 ہیں کہ بعد میں یہ لفظ بطور ایک اصطلاح کے استعمال ہونے لگا۔  
 سورہ یوسف میں آیا ہے: "وَكُنَّا لَكَ بِحَبْتِكَ رَبِّكَ وَنِعْمَتِكَ مِنْ  
 قَادِرِ الْأَحَادِيثِ:- اس بارے میں مولانا آزاد فرماتے ہیں: حضرت یوسف کے  
 حالات میں جا بجا تاویل الاحادیث کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا  
 ہے کہ ایک علم تھا۔ جو اللہ نے انہیں سکھا دیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہیے کہ اس علم سے

بقیہ صفحہ گذشتہ:- اردو ترجمے سے دیئے گئے ہیں۔ یہ ترجمہ مولوی رشید احمد انصاری مرحوم  
 کا ہے۔ اور اسے مکتبہ بریلون دہلی نے شائع کیا ہے۔



مقصود کون سا علم ہے جو اس کے بعد اس کی مزید تشریح ان الفاظ میں کی ہے۔۔۔۔۔  
 پس تاویل الاحادیث کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب نتیجہ اور مال بوجھ لینے کا  
 علم یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہو جانا کہ ہر بات اور مال کا نشانہ  
 ہو جائے۔ معاملات کی تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا مہر شناس  
 ہو جانا، ہر بات کی نفس پہچان یعنی ہر واقعہ کا مطلب پالینا۔ کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی  
 کیوں نہ ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسن کے ترجمہ القرآن میں سورہ یوسف کی آیت: **وَلْيَعْلَمَنَّكَ مِنَ  
 تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ كَقَائِدِهِ** میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے تاویل الاحادیث کی شرح  
 یوں فرمائی ہے: **مثلاً تعجیر ویا یعنی خواب سن کر اس کے اجزا کو زبانت و ذراست  
 سے ٹھکانے پر لگا دینا۔ یا ہر بات کے موقع و محل کو سمجھنا اور معاملات کے عواقب و  
 نتائج کو نوراً پر کھ لینا۔ یا خدا اور پیغمبروں کے ارشادات، اقوام و اہم کے قصص اور کتب  
 منزلہ کے مضامین کی تک پہنچ جانا۔ یہ سب چیزیں تاویل الاحادیث کے تحت میں  
 مندرج ہو سکتی ہیں۔**

مولانا عبید اللہ سندھی کی تفسیر القرآن کی آمانی میں جنہیں مولانا نے علامہ موسیٰ جاوید اللہ  
 مرحوم کو لکھ منظر میں ادا کرایا تھا، اس بارے میں یہ آیت ہے: **قَصَصُ الْأَنْبِيَاءِ وَتَنْبِيْهِهَا  
 عَنْ تَدْبِيْرِ الْاٰهِي ثُمَّ اٰتِيَاتٍ مِّثْلُ ذٰلِكَ التَّوْبَةُ يٰرَبِّيْ سَبِّحْتَ  
 النَّبِيَّ هُوَ تَأْوِيلُ الْأَحَادِيثِ لِلْأَنْبِيَاءِ وَتَفْصِيْلُ ذٰلِكَ فِي كِتَابِ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ لِلْاٰمَامِ اَوْلِيَ  
 الْقَصَصِ الْاَنْبِيَاءِ فِي تَدْبِيْرِ الْاٰهِي كَمَا فَرَمَا بَعْضِي هَا سِ كِي تَجْمِيْرِ اِسِي كِي مَسَلِ تَدْبِيْرِ كَاسِيَةِ الْبِنِي  
 فِي بَرُوَسِ كَارِ اَنَابِيِهِ هِي (قَصَصِ) اَنْبِيَاءِ كِي تَأْوِيلِ اِسَادِيْتِ اِسِي كِي تَفْصِيْلِ اَمَامِ**



ولی اللہ کی کتاب تاویل الاحادیث میں ہے)

## کتاب کے مطالب کا اجمالی بیان

شروع کتاب میں ہے کہ اللہ نے انبیاء کو صاف و روشن امر (صفو الامر) اور رشد و ہدایت (ارشاد) کے ساتھ مبعوث کیا۔ نیز ان کے سینوں میں اپنی ذات و صفات کے معارف اور تخلیق و ایجاد کے اسرار رکھے۔ ان پر اپنی قدرت سے نادر و قانع ظاہر کیئے۔ کتنے معجزے کئے کہ ظاہر ہوئے تاکہ جسے اپنی بندگیت سے ہلاک ہونا ہے، وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جسے اپنی سعادت مندی سے زندگی پانا ہے، وہ واضح دلیل سے زندگی پائے۔

اس تمہید کے بعد ارشاد ہوتا ہے:۔ انسان پر انسان کی زبان میں اللہ کے جو علم نازل کرتا ہے، تو علم کا یہ نزول اللہ کے مرتبہ ذات سے تدلی اور تجلی کی صورت میں انسانوں کی طرف ہوتا ہے۔ اسے یوں سمجھنا کہ یہ محض ایک پیرائے بیان ہے جس میں کہ مجاز و کنایہ سے کام لیا گیا ہے، صحیح نہیں۔

اللہ کی ذات کا کسی چیز پر اس طرح تجلی فرمانا کہ وہ تجلی خود ذات الہی کی قائم مقامی کرے، اسے شاہ صاحب تدلی کہتے ہیں۔ اور یہ ان کی حکمت کا ایک نیا ہی مسئلہ ہے۔ اس کی تشریح مولانا عبید اللہ سندھی یوں کرتے ہیں:۔ واجب الوجود جو ہر نسبت سے منزہ اور مجزوم کے اعلیٰ سے اعلیٰ مقام پر ہے، ایک انسان اس سے کیسے مہکلام ہو سکتا ہے۔ اور اس کی بات سن سکتا ہے۔ اور نبوت کا تو مطلب ہی



یہ کہے کہ نبیؐ نے اللہ کی بات سنی۔ شاہ صاحب اس مسئلے کو تجلی کے ذریعے سمجھاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ واجب الوجود کی تجلی جس منظر پر عکس ریز ہوتی ہے وہ منظر اس تجلی کے رنگ میں اس طرح رنگا جاتا ہے کہ یہ تجلی من وجہ واجب الوجود ہی کا عین ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس منظر کے واسطے سے جب ہم تجلی سے تعلق قائم کرتے ہیں تو ہمارا یہ کہنا صحیح ہوتا ہے کہ ہم خود تجلی فرما ذات یعنی اللہ تک پہنچے۔ واجب الوجود کی اس تجلی کو ہماری عقل اور ہمارے ہونا باطن کا بطن اور اک کر سکتا ہے۔ اس حالت میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اللہ کو دیکھا۔ یا اس کی بات سنی۔

شاہ صاحب کی بنیادی حکمت کو سمجھنے کے لئے دو باتوں کا جاننا اور ضروری ہے ایک یہ کہ ان کے بل اس عالم مادی سے ماوراء ایک عالم مثال ہے جو اس عالم مادی میں اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ اور اس میں عالم مادی کی تمام چیزیں غیر مادی اشکال و صورتوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس عالم مثال سے ماوراء دوسرے روحانی عالم میں جہنم مختلف نام دیئے گئے ہیں۔ عالم مثال گویا عالم مادی اور عالم روحانی کی بیچ کی کڑی ہے۔ دوسری بات یہ کہ شاہ صاحب اس زمانے کے عام اہل علم کی طرح یونانیوں کی تقلید میں یہ مانتے تھے کہ افلاک ستارے اس دنیا کے حالات و واقعات پر اچھے اور برے اثرات ڈالتے ہیں۔ اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے، اس میں اور اسباب کے علاوہ افلاک و کواکب کا بھی حصہ ہوتا ہے۔ اور ان کا موثر ہونا ایک اسطیجی ہے۔

یہاں یہ بھی ذکر کر دیا جائے کہ شاہ صاحب عام طور پر اس عالم مادی میں رونما ہونے والے ہر خارق عادت و واقعہ کی تشریح مادی طبائع و اسباب کے ذریعے کرتے ہیں۔ لیکن انہیں جہاں اس کا امکان نظر نہ آئے تو وہ اس واقعہ کے بواعث و محرکات



عالم مثال کی قوتوں میں ڈھونڈتے ہیں۔ اور ان کے نزدیک یہ عالم مثال اسی طرح حقیقی ہے جیسے کہ عالم مادی۔

سب سے پہلے مقدمہ کتاب میں شاہ ولی اللہ صاحب اس امر کا اثبات کرتے ہیں کہ دنیا میں جو خوارق عادت رونما ہوتے ہیں تو ان کے بھی اپنے طبیعی اسباب ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ اسباب نادر الوجود ہوا کرتے ہیں۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں اللہ تعالیٰ جب کسی تدبیر کے سلسلہ میں خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ خرق عادت کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ خواہ وہ عادت ضعیف ہی ہو۔ (اس کی ایک مثال سینے کے بعد فرماتے ہیں)۔ پس خوارق عادت کے ضعیف اسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ خوارق گویا اللہ تعالیٰ کی قضا کے نفاذ ہی کے لئے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب ارغی کا جو اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ اس لئے کہ خرق عادت عام نہ ہو جائے۔۔۔۔۔“ یعنی سبب اور مسبب اور علت و معلول کے نظام طبیعی کا ہونا خود حکمت الہی کا تقاضا ہے۔

اس کے بعد شاہ لکھتے ہیں: انشا اللہ تعالیٰ ہم ہر حادثے کے بارے میں، اس کی تعبیر اس کے شرح و قالب کی وجہ خصوصیت اور ہر خرق عادت میں اس کے ضعیف اسباب کی طرف اشارہ کریں گے۔ پس تم ہمارے اشارات کا انتظار کرو اور ہمارے ہر قصے کے ذکر کرنے کے ضمن میں ان اشارات کی تاک میں رہو۔“

آدم وادریس علیہما السلام | آدم کی تخلیق کا مقصد ایک ایسی نوع کو وجود میں لانا تھا جس میں اتفاقات اور اخلاق کاملہ کا ملکہ ہو۔ اس میں ملکیت اور بہمنیت دونوں جمع ہوں۔ اور یہ نوع اس دنیا میں اللہ کی خلیفہ بنے۔



ارتفاقات سے مراد اجتماعی ادارے ہیں جنہیں انسان زندگی گزارنے کے لئے تشکیل کرتے ہیں۔

شروع میں حضرت آدم کے ساتھ اہل جنت کا سلوک کیا گیا۔ کیونکہ اس وقت تک ان کی جبلت کے احکام ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ ان میں شہوانی طبیعت تو موجود تھی ہی ہسی کا خسیلی بروز حضرت تو آتھیں۔ حضرت آدم نے یہ گمان کیا کہ انہیں جو خلد یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا الہام کیا گیا ہے تو اس کا مطلب ان کا جنت میں رہنا ہے۔ حالانکہ دراصل انہیں دنیا میں اللہ کا خلیفہ بنانا مقصود تھا۔ ان کے ساتھ جو درخت کا پھل کھانے کا واقعہ پیش آیا۔ اور وہ جنت سے نکلے گئے تو شاہ صاحب اس کی تاویل یہ کرتے ہیں :- یہ تعریب تھی اللہ کا ازل میں جو ارادہ تھا اس کے پورا ہونے کی۔

چنانچہ آدم میں طبعی احکام کا ظہور ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا۔ اور ان سے جنس زانیل ہو گئیں۔ رعایت ملکی ان سے پوشیدہ ہو گئی۔ اور رعایت طبعی کا ظہور ہوا۔ شاہ صاحب کے نزدیک ہبوط آدم کی یہ تاویل ہے۔

فرشتوں کو جو حضرت آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا تو شاہ صاحب کے نزدیک فرشتوں کی ایک نوع عنقریب ہے باجوہ اللہ کے الہام کے مطابق عناصر میں کام کرتے ہیں۔ انہوں نے تو آدم کو بنفسہ خود سجدہ کیا۔ گویا اس کے معنی یہ تھے کہ وہ آدم کی مرضی و اختیار کے تابع ہوں گے۔ اسے شاہ صاحب یوں بیان فرماتے ہیں :- فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا ایک دقیق راز کا حال ہے سو یہ کہ جو فرشتے نبی آدم کا کام کرتے ہیں تو وہ اس طرح بے شک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔۔۔۔۔ اور ایک نوع جو ملا اعلیٰ کے ملائکہ کی ہے، انہوں نے خود

ہیں بلکہ ان کے اشباح نے حضرت آدم کو سجدہ کیا تھا۔



حضرت آدم جس جنت میں رکھے گئے وہ ارضی تھی یا سماوی شاہ صاحب نے اس کی صراحت نہیں کی لیکن مولانا عبید اللہ سندھی کی رائے ہے کہ وہ جنت ارضی تھی اور اس رائے میں وہ منفرد نہیں تھے یہ قول ابی بن کعب عبد اللہ بن عباس اور ابن منبہر سفیان بن عیینہ سے مروی ہے۔ قاضی منذر بن سید ابو طلی نے اپنی تفسیر میں اسے ذکر کیا ہے۔ اس پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے۔ اور اس قول کو امام ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب سے روایت کیا ہے۔ اسی طرح ابو عبد اللہ محمد بن عمر رازی نے اپنی تفسیر میں ابو القاسم بلخی اور ابو مسلم اصفہانی سے اسے روایت کیا ہے۔ القرطبی نے اپنی تفسیر میں محترمہ اور قدریہ سے اس قول کو نقل کیا ہے۔ ابن حزم نے الملل والنحل میں لکھا ہے کہ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے۔ قرآن میں (اعراف ۱۷۲) آئی ہے کہ اللہ نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو نکالا۔ اور ان کی جانوں پر ان سے (اس طرح) اقرار کرایا۔

أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ

(کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب۔ بولے یاں ہے ہم اقرار کرتے ہیں۔ کبھی کہنے لگو قیامت کے دن ہم کو تو اس کی خبر تھی) شاہ صاحب اس کی تاویل یہ کرتے ہیں۔ یہ جواب فطرت کی زبان سے دیا گیا تھا۔ اور یہ ظاہر کرتا ہے کہ رب کو ماننا انسانوں کی فطرت میں داخل ہے۔ چنانچہ ان کا مواخذہ اسی بنا پر ہوگا کہ انہوں نے خود اپنی فطرت کی خلاف ورزی کی۔

۱۷ ملاحظہ ہو تفسیر الہمام الرحمن۔ ج ۱ ص ۹۳

۲ قصص الانبیاء تالیف عبد الوہاب النجار مصری ص ۹ مزید تفصیل کے لئے دیکھیے

البدیۃ والنہایہ ابن کثیر ج ۱ ص ۵۵



حضرت اور لیس کے متعلق شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ پہلے تو انہیں حضرت آدم کی طرح صرف وہی اور حبلی علوم تک دسترس تھی۔ پھر وہ ترقی کر کے طبیعی، الہیاتی، ستاروں، طب اور ارتقاات کے علوم کی طرف آئے۔ اور یہ اس لئے کہ وہ بلا تھ اور وہم و خیال سے کام لینے والے تھے۔ ان سے بہت سے علوم کا ظہور ہوا۔ ان علوم کو برکت دی گئی۔ پس مجوسی اور حنیفی ملت وجود میں آئی۔ اور طب، دعوت و ارشاد اور ستاروں کے علوم مرتب ہوئے۔ اور اس وقت یہ سب علوم برحق تھے لیکن آج ان میں حق کے ساتھ باطل اور ثابت و اصل کے ساتھ تحریف شدہ ملا ہوا ہے۔

حضرت نوح جس قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس کی اکثریت کی قوت حیوانیہ بڑی زور آور

نوح علیہ السلام اور ان کے متبعین

تھی۔ اس لئے ان کے لئے جو شریعت وجود میں آئی، وہ قوت حیوانیہ پر غالب آکر انسانیت کو بیدار کرنے والی تھی۔ جب حضرت نوح کی قوم فسق و فجور میں حد سے بڑھ گئی تو ملا اعلیٰ میں اس کے خلاف غضب العقاد پذیر ہوا۔ اور اس کے عذاب کی شکل اختیار کر لی۔ شاہ صاحب اس واقعہ کی تائید یوں کرتے ہیں :-

..... پھر اللہ نے اپنا کام پورا کیا۔ اور تدبیر الہی جو کہ جو یا فضا کے واقعات میں سے ایک ایسے واقعہ کی منتظر تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دے۔ آخر سماوی و ارضی اسباب پانی کا ایک عام طوفان لانے پر جمع ہو گئے تو اس وقت اللہ نے اپنا فیصلہ جاری فرمایا۔

اس کے بعد شاہ صاحب اس طبیعی اصول کا اثبات کرتے ہیں :-



کوئی بھی عظیم واقعہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بہت سی عنایات اس کا تقاضا کرتی ہیں۔  
طبائع ارضی کی عنایت، احکام فلکی کی عنایت، صور الہیہ کی عنایت اور لوگوں پر مقرر  
کی ہوئی شرائط کی عنایت جس کو علم کا مختصر حصہ حاصل ہوتا ہے، تو وہ ان عنایات  
میں سے صرف ایک عنایت کو دیکھتا ہے۔ اور باقی عنایات کو بھول جاتا ہے.....  
علم کامل اور پوری معرفت ان سب عنایات کو جمع کر لیتی ہے۔

ہود اور صالح علیہما السلام

قوم عاد کی طرف جو جنوبی عرب میں رہتی تھی، حضرت  
ہود اور قوم ثمود کی طرف جس کا مسکن شمالی عرب  
تھا حضرت صالح بھیجے گئے تھے۔ ان دونوں قوموں پر ان کے کفر اور فسق کی وجہ سے  
اللہ کا عذاب نازل ہوا۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے  
اور صحرا تھا۔ ان کے ملک کی آب و ہوا گرم خشک تھی۔ اس لئے ان کے طل ہوائی طوفان  
کی قسم کا عذاب آنا زیادہ متوقع تھا۔ چنانچہ ایک زلزلے تک وہاں بارش نہ ہوئی۔ اور  
ان کے چار پائے بھوک اور پیاس سے مرنے لگے۔ ایک دن انہوں نے بادل گھڑ کر آتے  
دیکھے۔ وہ سمجھے کہ یہ برسیں گے۔ حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا۔ ان بادلوں نے تند و تیز  
ہوائی طوفان کی شکل اختیار کر لی۔

ثمود پہاڑوں اور غاروں میں رہتی تھی۔ اس کے حق میں عذاب زلزلے اور سخت آواز ہی  
کی شکل میں آسکنا تھا۔ ثمود نے حضرت صالح کی اونٹنی کو مار ڈالا۔ اس کے بعد اس پر  
عذاب آیا۔ اس کی تاویل شاہ صاحب یہ کرتے ہیں:۔ اس قوم کا شر حضرت صالح  
کی بددعا سے ایک اونٹنی کی شکل میں نمودار ہوا۔ جب انہوں نے اس اونٹنی کو قتل  
کیا تو شر پھیل کر طوفان کی صورت اختیار کر گیا۔ اسی سلسلے میں شاہ صاحب یہ



بھی لکھتے ہیں کہ شرعاً عالم ملکوت میں حیوان کی شکل میں متمثل ہونا ہے۔  
 افراد انسانی میں مختلف قسم کی جبلی استعدادیں ہوتی ہیں۔  
 ان کا ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں:

ابراہیم علیہ السلام

ایک گروہ وہ ہے جو فطرت کا امام ہوتا ہے۔ وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف ٹوٹ  
 پڑتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم و رواج یا دور  
 کوئی چیز روک نہیں سکتی۔ وہ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کے بغیر عبادت کے  
 اعمال کو بجالاتا ہے۔ اور ان کے احوال کو قبول کرنا اس کے لئے آسان ہو جاتا ہے۔ اس  
 کی اتم اور اکمل مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام جوان  
 ہوئے تو اللہ نے انہیں حکمت عطا فرمائی۔ اور ان پر ان کی فطرت آشکارا ہوئی۔ اس  
 کے بعد آپ کو وہ واقعہ پیش آیا جس کا قرآن میں ذکر ہے یعنی آپ نے ستارہ چاند  
 اور سورج کو غروب ہوتے دیکھا۔ اور اس سے اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پروردگار  
 نے ان کو پیدا کیا ہے، وہی آپ کی تربیت کرتا اور راہ حق دکھاتا ہے۔ وہ جسمانی احکام سے  
 مبرا اور انسانی عوارض سے بلند ہے۔ اس کے بعد آپ پر ایک عظیم کیفیت طاری ہوئی  
 اور حق منکشف ہوا۔

حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ اللہ آپ کی بقا چاہتا تھا چنانچہ اس نے  
 آگ پر ایک دم ہوا کے ذریعے ٹھنڈی ہبیت ڈال دی یہ سرد ہوا طبقہ زہریلے  
 آئی تھی۔

شاہ صاحب کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم اپنی فطرت کے ذریعے اللہ کی طرف  
 خالص طور پر متوجہ ہوئے۔ اور ملاً اعلیٰ سے براہ راست ان کا ربط پیدا ہوا۔ اس



بنیٰ پر نجومیت، نجومیت اور شرک باطل قرار پائے۔ اس کی مزید تشریح وہ یوں کرتے ہیں:-  
 اس سے پہلے دنیا کے حوادث سماوی قوتوں اور عناصر سے براہِ راست صادر ہوتے تھے۔  
 اسی لئے اور لیس نے اس دور سے مناسبت رکھنے والے علوم پر گفتگو کی۔ اس  
 سے خرابیاں پیدا ہوئیں۔ مانتوں میں اختلاف رونما ہوا نجومیت میں تحقیق ختم ہو گئی۔ اور نجوم کی وجہ سے  
 شرک بڑھ گیا۔ اس پر ملا اعلیٰ میں جو حضرت العزیز کے مقدس ملائکہ ہیں، ایک گونہ جوش  
 پیدا ہوا۔ بات یہ ہے کہ اللہ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو ملا اعلیٰ میں اس ارادے  
 کا نزول ہوتا ہے۔ اور ملا اعلیٰ کے علوم ایسے انسانوں کے دلوں پر ٹپکتے ہیں، جن کی  
 ملائکہ کے ساتھ قومی مناسبت ہوتی ہے۔ نیز یہ کہ لوگوں کی ہدایت کا ارادہ حق کے  
 مخالف لوگوں سے نفرت اور ان پر لعنت کرنا اور انسانوں کے لئے شرائع مقرر کرنا  
 ان سب کا فیصلہ ملا اعلیٰ میں ہوتا ہے۔

آخر میں شاہ صاحب اس بحث کا خلاصہ بیان فرماتے ہیں:-

”اسی لئے منشاء الہی کو بروے کار لانے کے لئے ملا اعلیٰ

کے توسط سے انبیاء علیہم السلام پر یہی علوم نازل ہوتے ہیں۔ یہ علوم  
 ان کی زبان میں ہوتے ہیں اور ان کی عقول اور سمجھ کے مطابق ہوتے ہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ نوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے گروہ  
 میں سے تھے۔ ان کی قوم پر بے حیائی اور نفس پرستی نے  
 علیہ پالیا انہوں نے ملک میں فساد و ظال رکھا تھا۔ اور وہ جسمانی لذتوں کے حصول میں  
 بہائم سے جاملے تھے۔ ان کی ان بد اعمالیوں کی وجہ سے اللہ کا ان پر عذاب نازل ہوا۔ یہ  
 عذاب زمین کا سخت زلزلہ تھا اور بارش اچھکڑ اور اونے بل کر کنکر اور پتھر بن گئے تھے۔



اس کے بعد شاہ صاحب یہ قاعدہ کلیہ بتاتے ہیں۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ وہ سارے عذاب جو فضائی کائنات کی طرف سے آتے ہیں، معرض وجود میں نہیں آسکتے، جب تک کہ آسمان کا وحشت پرور اتصال نہ ہو۔ آسمان سے بارش برسنایند نہ ہو۔ آسمان و زمین دونوں میں طویل مدت تک بہت سے مواد جمع نہ ہو جائیں۔ پھر اس کے ساتھ ملاءِ اعلیٰ کا غضب اور لعنت شامل نہ ہو، غرض شاہ صاحب کے نزدیک ہر واقعہ خواہ وہ کتنا ہی خارقِ عادت کیوں نہ ہو، اس کے لئے کچھ طبیعی اسباب کا ہونا لازمی ہے۔ یقیناً اس کے ساتھ ملاءِ اعلیٰ کی مرضی بھی ایک ضروری شرط ہے۔ شاہ صاحب نے اس کتاب میں بار بار اس پر زور دیا ہے۔

**یوسف علیہ السلام** کا ظاہر ہوا، جو آخر کار اللہ کا ان پر انعام ہونا تھا، یعنی یہ کہ لوگ ان کی اطاعت کریں گے۔ اور ان کے مال باپ اور بھائی ان کی تعظیم بجلائیں گے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جملہ تقریبات بہم پہنچائیں۔ وہ مصر پہنچے۔ اور آخر میں وہاں صاحب اقتدار ہوئے۔

خواب اور اس کی تعبیر کے بارے میں شاہ صاحب کی رائے یہ ہے۔ ہر قوت خیال معانی مقصود کو ایک شکل دے دیتی ہے۔ یہ شکل طبیعت کے مناسب حسب اقتضا طبیعت کلیہ ہوتی ہے، جو شخص اس کی معرفت رکھے، وہ خواب کی تعبیر کر سکتا ہے۔ عزیز مصر کی بیوی نے حضرت یوسف کو بچھسلا یا تھا، اس واقعہ کی تاویل شاہ صاحب کے نزدیک یہ ہے، وہ عورت ان پر عاشق ہو گئی اور انہیں اس نے بچھسلا یا۔ وہ قوی المزاج نوجوان تھے۔ عورت نے ان کا ارادہ کیا۔ اور انہوں نے اس کا۔ (یعنی اس وقت) اللہ نے اپنی عظیم دلیل ظاہر فرمائی حضرت یوسف کے دل میں عصمت کا داعیہ حرکت میں



آیا اور اس نے ان کی طبیعت کے داعیہ کو اگر چہ وہ قوی تھا، مخلوب کر دیا۔ اس وقت ان کے لوح خیال پر ان کے والد کی شکل متمثل ہو گئی۔ اور وہ اپنے والد کو اللہ کی نشانوں میں سے مانتے تھے۔ اور وہ زمین میں داعیٰ تھے۔ اور ایسے افعال سے روکنے والے تھے۔

حضرت ایوب ہر طرح کی نعمت و آسائش سے بہرہ مند تھے۔  
**ایوب علیہ السلام**  
 وہ اپنی قوم کو نیکیوں کا حکم دیتے اور بُرائیوں سے روکتے تھے۔ بعد میں جب ان پر پچھے درپے مصیبتیں آئیں تو وہ صابر و شاکر رہے۔ آخر میں وہ مصیبتیں جاتی رہیں۔ اور اللہ نے ان کو پہلے سے زیادہ نعمتیں عطا کیں۔

حضرت ایوب نے اپنے دورِ انبیا و مصیبت میں منت مانی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو سو ڈر سے ماریں گے۔ اللہ نے ان کے لئے اُن میں آسانی پیدا کر دی۔ اس واقعہ کا ذکر قرآن میں یوں کیا گیا ہے:۔۔۔ اور پکڑ اپنے ہاتھ میں سینکول کا مٹھا۔ پھر اس سے مار لے اور قسم میں جھوٹا نہ ہو۔ (ص ۴۲) شاہ صاحب اس واقعہ کی تائید یوں کرتے ہیں: اللہ تعالیٰ کا اپنے پیارے بندوں کے ساتھ ایسا ہی بڑا دُشمن ہے کہ اُن سے حدودِ شرعیہ کی ظاہری صورت پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اور اصل حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی عنایتِ ارادہ سے ہوتا ہے۔ جس کا تعلق ان شرائع سے ہوتا ہے، جو ملائکہ اعلیٰ میں انعقاد پذیر ہوتی ہیں۔ پھر ان شرائع میں حرج اور تکلیف نظر آتی ہے۔ اسی طرح ہر پسندیدہ نظام کے ساتھ اللہ کا یہی بڑا دُشمن ہے، جب اسبابِ ارادہ کی واقفیت کرتے ہیں۔ چنانچہ وہ ان دونوں کے درمیان عدل و انصاف سے فیصلہ کرتا ہے۔ پس ایک شے کے ایک پہلو کو چھوڑ کر دوسرے پہلو سے اکتفا کیا جاتا ہے۔

یہ عبارت بڑی سہم ہے۔ ہمارے نزدیک اس میں شاہ صاحب نے اس امر



کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ جب شرایع سے حرج اور تکلیف واقع ہو تو ملاء اعلیٰ کی جانب سے ان میں تغیر و تبدل کیا جانا تقاضائے عدل ہے۔

**شعیب علیہ السلام** | حضرت شعیب کے ذکر میں شاہ صاحب فرماتے ہیں ان کی قوم نے زمین میں فساد برپا کیا۔ لوگوں کے حقوق مارے۔

وہ لوگ بُری رسموں پر جمع ہو گئے۔ مظلوم دیرا کرتے تھے لیکن کوئی ان کی سنتا نہیں تھا۔ انہوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کو بالکل بھلا دیا۔ حضرت شعیب نے ان اعمال بد کی جو سزا ملتی ہے، اس سے اپنی قوم کو ڈرایا۔ اور خدا کے غضب سے خبردار کیا۔

اس کے بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں۔ جب اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حکمتِ الہی منتظر رہی۔ یہاں تک کہ ایک مدت دراز تک ان کے ہاں بارش نہ ہوئی۔ زمین میں جو پانی کے مواد تھے، وہ بھی ختم ہو گئے۔ اور شدت کی گرمی پڑی تو اللہ کا حکم آپہنچا۔ چنانچہ ان پر گرم ہوا چلی پھر ان ہواؤں میں اضافہ ہوا۔ وہ آگ ہو گئی۔ اور انہیں رعد کی مہیب آواز آئی۔ اس سے وہ ہلاک ہو گئے۔

**موسے علیہ السلام** | شاہ صاحب لکھتے ہیں:- فرعون نے اللہ اور اس کے شعائر سے تکبر کیا۔ اپنی خدائی کا دعویٰ کیا۔ خدا کی مخلوق

کو اپنا غلام بنایا اور ملک میں فساد برپا کیا۔ وہ بنی اسرائیل پر ظلم کرتا تھا۔ اور اس نے انہیں ذلیل و خوار بنا رکھا تھا۔ شاہ صاحب کے نزدیک اس وقت بنی اسرائیل خدا کی مخلوق میں سب سے اچھے لوگ تھے۔ چنانچہ اللہ نے ارادہ فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم کو ان کے بد اعمال کی سزا دے۔ اور کمزور بنی اسرائیل پر احسان فرمائے۔ ان کو قوموں کا پیشوا بنائے۔ اور انہیں زمین کا وارث کرے۔ اس کے لئے اللہ نے ایک عظیم الشان شخص کی پیدائش



کا حکم دیا۔ اس پر شروع ہی سے عنایات کیں۔ اسے پورے طور پر آزمایا تاکہ اس پر اس کی تربیت منکشف ہو۔ اور اس کی استعداد میں جو چیز پوشیدہ ہے، وہ ظاہر ہو جائے۔ یہ عظیم الشان شخص حضرت موسیٰ تھے۔ پھر شاہ صاحب نے ان عنایات الہی کا ذکر کیا ہے۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ شیر نوار موسیٰ فرعون کے ہاں پہنچا دیئے جاتے ہیں۔ اور وہاں ان کی چھٹی تربیت ہوتی ہے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ پھر حضرت موسیٰ نے اپنی عقل اور علم میں برابر برطصتے گئے۔ اور ان پر ان کی فطرت کا الشراح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب اپنی قوت کو پہنچے تو انہیں اللہ نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔ وہ احکام الہی کی تاویں سمجھ گئے۔ اور مابرا علی سے مستفیض ہونے کی ان میں استعداد پیدا ہو گئی۔

اب ضرورت تھی کہ حضرت موسیٰ فرعون کے ماحول سے نکلے۔ شاہ صاحب اس کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ پھر اللہ نے حضرت موسیٰ کو فرعون کی تربیت سے خلاصی دینے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ (فرعون سے الگ ہو کر) اپنے علم اور ہدایت میں کامل ترین انسان ہوں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ ان لوگوں میں سے تھے جن پر ان کی فطرت کا الشراح مومنوں کی صحبت سے کمال کو پہنچتا ہے۔ اور فرعونی لوگوں کی صحبت اور ان کی معاشرت حضرت موسیٰ کو اس کمال تک پہنچنے میں مانع تھی۔ چنانچہ اللہ نے اُس کے لئے تقریب بہم فرمائی۔

حضرت موسیٰ مصر سے مدین پہنچے۔ وہاں کئی سال حضرت شعیب کے ساتھ گزار کر پھر واپس مصر کو روانہ ہوئے۔ یہ سفر نظام تہ اپنی قوم کی ہجرت کی وجہ سے تھا۔ لیکن فی الحقیقت اس سے اللہ امر رسالت کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ مدین ہی میں حضرت موسیٰ کو اپنے لئے ایک عصا منتخب کرنے کی ہدایت کی گئی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اُس عصا کے انبیاء علیہم السلام



ایک دوسرے کے بعد وارث ہوتے آتے تھے۔ اور اس میں برکت تھی۔  
 داوی طوئی ہی میں حضرت موسیٰ کا دور سے آگے دیکھنا اور جب اس کے قریب

آنا تو یہ آواز سننا کہ میں تمہارا رب ہوں اس کی تاویل شاہ صاحب یوں کرتے ہیں:-  
 "ملاء اعلیٰ میں حضرت موسیٰ سے بالمشافہہ خطاب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ طبیعت  
 کے سخت بار بار اور غیور تھے۔ اس لئے اس بقعہ (مبارکہ) میں سرعت سے آگے صورت پذیر  
 ہوئی۔ یہ آگ عناصر کی قسم سے نہ تھی بلکہ خالص عالم مثال کی چیز تھی۔ اس طرح اللہ نے  
 ملاء اعلیٰ کی زبان سے آگ کے اندر سے حضرت موسیٰ سے بالمشافہہ کلام کیا۔ عصا اور ید بیخیا  
 کے دو معجزے جو حضرت موسیٰ سے صادر ہوئے، ان کے بارے میں بھی شاہ صاحب  
 کہتے ہیں کہ یہ نتیجہ تھے طبیعی میں مقالی قوتوں کے ظہور کا۔ حضرت موسیٰ کا بنی اسرائیل کو گلے  
 دریا سے سلامت پار ہو جانا اور فرعون کا اپنے لشکر کے ساتھ اس میں غرق ہو جانا، شاہ صاحب  
 اس واقعہ کی تاویل یوں کرتے ہیں:- حضرت موسیٰ نے جب دریا پر پہنچے تو اللہ نے ایک  
 تیز ہوا کو دریا پر مسلط کر دیا، جس نے دریا کے ایک حصہ کو بچاڑ دیا۔ ایک گوشک کر دیا۔ اور  
 ایک حصے میں ایسا تصرف کیا، جس طرح وہ اجزائے زمین میں تصرف کرتی ہے۔ یہاں  
 تک کہ وہ جھکڑ بن جاتی ہے۔ اس طرح اللہ نے بنی اسرائیل کو نجات دی۔ اور فرعون  
 اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔"

جب بنی اسرائیل کو سزا کے طور پر صحرا میں رہنا پڑا تو ان پر من اور سلوی نازل ہوا۔  
 شاہ صاحب کہتے ہیں کہ اس نزول کے اپنے اسباب تھے۔ البتہ قدرت الہی نے  
 ان میں بسط اور قبض فرمادیا تھا۔ اسی طرح دن میں بنی اسرائیل پر سائے کے مشابہ  
 گہرے بادل کا ہونا جو انہیں دھوپ سے بچائے اور رات کو ستون کی طرح آگ



کا ہونا کہ وہ ان کے لئے مشعلوں اور چراغوں کا کام دے، تو یہ سب بادل اور برقی میں  
 تصرف سے ہوا کرتا تھا۔ اور اس کے لئے علمِ طبیعی میں کئی نظائر موجود ہیں۔ یہ واقعہ  
 کہ حضرت موسیٰؑ پتھر پر عصا مار تے تھے، اور اس سے چھتہ پھوٹ پڑتا۔ شاہ صاحب  
 اس بارے میں لکھتے ہیں: حضرت موسیٰؑ کو الہام ہوتا۔ پھر وہ ایسے پتھر کو عصا مار تے  
 جس میں پانی بہانے کی قریبی استعداد ہوتی۔ وہ پتھر کھپٹ جاتا اور اس سے پانی  
 جاری ہوتا۔ ایک واقعہ میں قلابوں اور اس کے گھر کو زمین میں دھنسا دینے کا ذکر ہے۔  
 اس ضمن میں شاہ صاحب فرماتے ہیں: اللہ عذاب کے اقسام میں سے اس قسم  
 کو اختیار کرتا ہے جو اس دن اسبابِ طبیعی کے زیادہ قریب ہو۔ قارون کے گھر کا  
 دھنسانا اس روز بمقابلہ دوسرے عذابوں کے اسبابِ طبیعی کے بہت قریب تھا۔  
 حضرت موسیٰؑ کا "عَبْدٌ آمِنٌ عِبَادِنَا" (سورہ کہف ۵۵) سے ملنا جسے  
 عام روایات میں خضر کہا گیا ہے، اور ان کو اپنے سے بڑھ کر عالم پانا۔ اس واقعہ  
 کی تاویل شاہ صاحب اس طرح کرتے ہیں: حضرت موسیٰؑ کو یہ خیال ہوا کہ ان  
 سے بڑھ کر کوئی عالم نہیں۔ اس پر اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہمارا ایک بندہ خضر تجھ سے  
 علم میں زیادہ ہے یعنی خاص اوقات میں جو تدبیر الہی ہوتی ہے، اس کے جاننے میں چونکہ  
 وہ اس تدبیر کو بروئے کار لانے میں اللہ کا جارحہ و واسطہ بنتا ہے۔ اس لئے وہ ان امور  
 میں تجھ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ جیسے حضرت موسیٰؑ احکامِ کلیہ اور عام لوگوں  
 کے لئے جو شرائع مقرر ہیں، ان کے بارے میں اس سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔ اس  
 طرح وہ چونکہ اقامتِ دین کے لئے جارحہ و واسطہ بنتے ہیں۔ اس لئے وہ اس میں بھی  
 اس پر فوقیت رکھتے ہیں۔ کچھ آگے اس کی مزید تشریح شاہ صاحب نے یوں کی ہے۔



حضرت خضر نے حضرت موسیٰ کو ایسے تین واقعات دکھائے جن کے لئے اللہ نے تقریب بہم کی تھی اور ان میں اس کی مخلوق کی اصلاح تھی چنانچہ اللہ نے اپنے بندوں میں سے ایک بندے کو اس فعل مقصود کے اتمام کے لئے حق کے جوارح میں سے ایک جارجہ بنایا۔ واقعہ یہ ہے کہ شرائع کا مدار احکام کلیہ اور حکم کے موافق پر ہوتا ہے۔ اور ایسے واقعات کے لئے جو تقریبیں ہوتی ہیں، ان کا مدار جزئی مصلحتوں پر ہوتا ہے۔ نیز یہ کہ کسی امر کا وقوع پذیر ہونا وقت اور حالات کے مناسب ہوتا ہے۔ یہ باتیں دقیق ترین علوم میں سے ہیں۔ اور ان کو وہی جانتا ہے، جو نور حق کا جوارح بنتا ہے۔ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے بنی اسرائیل میں بہت سے بنی مبعوث فرمائے۔ ان میں سے کوئی بادشاہ ہوا، جیسے یوشع گرنی عالم جیسے اشعیا، شمویل اور کوئی زبردست ریاضت والا جیسے ایاس۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ ان انبیاء کا ایسا ہونا اقتضائے مصلحت کے تحت ہے۔ اور ان امور میں ہر وقت اقرب اور اسہل کے انتخاب کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

جملہ انبیاء باہم مبعولات ہیں۔ ان کا باپ ایک ہے اور وہ

عبادت ہے مناسب نبوت الہی تربیت سے۔ اور ان کی مائیں

اگ الگ ہیں۔ اور یہ ہیں وہی اور اکتسابی استعداویں۔

قرآن میں حضرت داؤد کے ذکر میں ارشاد ہوا ہے۔ اور

داؤد علیہ السلام

یاد کر ہمارے بندے داؤد قوت والے کو۔ وہ تھا

اللہ کی طرف رجوع کرنے والا۔ ہم نے (اس کے) تابع کیے پہاڑ۔ اس کے ساتھ تسبیح کرتے تھے شام کو اور صبح کو اور پرندے جمع ہو کر سب اس کے فرماں بردار تھے۔



شاہ صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:۔ خدا نے حضرت داؤد کو اب بھی آواز دی تھی جس کا لوگوں اور پوپالیوں دونوں پر اثر ہوتا تھا۔ اور پہاڑوں کو بھی ان کا مطیع کیا تھا کہ جب حضرت داؤد تسبیح کرتے تھے تو وہ صبح و شام اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کی یہ صورت تھی کہ جب گنبد میں بولا جائے تو اس کا جواب ملتا ہے۔ اسی طرح پہاڑوں سے بھی آواز آتی تھی۔ مزید فرماتے ہیں:۔ قوی ہمت والا عالی نفس جب کسی کیفیت سے پُرمو جاتا ہے تو جو نفوس اور طبائع اس کے قریب ہوتی ہیں یہ کیفیت ان میں منترا کر جاتی ہے۔ اور جب یہ نفس کسی پتھر اور درخت سے ایسی معرفت کی بات سنتا ہے جو وقت کے اقتضا کے مطابق ہوتی ہے تو اس نفس کی قوت لوگوں میں سرایت کر جاتی ہے۔ اور وہ بھی وہی سُننے لگتے ہیں، جو اس نے سنا تھا۔

حضرت داؤد کے عہد میں بعض یہود لوں نے یوم السبت کا موسمی شریعت کے مطابق احترام نہ کیا۔ اس پر ان پر اللہ کا عتاب ہوا۔ اور کہا گیا کہ ”ذلیل و خوار بندر ہو جاؤ۔“ (البقرہ ۵۴) شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔ ..... اللہ نے ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا اس کی عورت یہ ہوتی کہ اللہ نے پھلی کو فاسد المزاج اور بدبودار بنا دیا۔ جب وہ اس کو کھاتے تھے تو یہ فساد مزاج ان میں بھی سرایت کر جاتا تھا۔ اور ان کے بدن بگڑ جاتے تھے ..... ان کے بدنوں پر رندوں کی طرح! بال نکل آئے۔ .....“

حضرت سلیمان کے ذکر میں قرآن میں آیا ہے:۔ ”وہ بولے“  
**سلیمان علیہ السلام**  
 اے لوگو! ہمیں پرندوں کی بولی سکھانی گئی ہے۔  
 ..... اور جمع کئے گئے سلیمان کے پاس ان کے لشکر جنوں اور انسانوں



میں سے۔ اور پھر ان کی عجائبی بنائی جاتیں۔۔۔۔۔“ (النمل ۱۷) شاہ صاحب اس بارگاہ میں لکھتے ہیں۔۔۔ پرنندوں کی مختلف آوازیں ہوتی ہیں، جو ان کے مختلف حالات کی نشان دہی کرتی ہیں۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ حضرت سلیمان کو ان علوم کا اگر حصہ سکھا دیا تھا۔ اور اکثر اوقات بعض عارفوں کو بھی ایسے علوم عطا ہوتے ہیں۔“

سورۃ الانبیاء میں ہے:۔ اور سلیمان کے تابع کی ہوا زور سے چلنے والی کہ چلتی ان کے حکم سے اس زمین کی طرف جہاں برکت دی ہے ہم نے۔۔۔۔۔ اور تابع کے کتنے شیطان جو ان کے واسطے غوطہ لگاتے اور اس کے علاوہ بہت سے اور کام کرتے۔۔۔۔۔ (۱۸۱) اس کی تاویل شاہ صاحب یوں کرتے ہیں۔۔۔ ہوا، آگ اور دوسری چیزوں کے وجود کی اصل قیومیتِ حق کی صورت میں پائی ہے۔ جو اس ضمن میں عنصر اول ہے کبھی ایک قیومیت کی تاثیر سے ایک چیز ہوا بن جاتی ہے۔ اور کبھی ایک سے پانی۔ اسی پر دوسری چیزوں کا تیا س کر لو۔ کامل بندے کو بسا اوقات ان میں سے بعض قیومیوں سے مناسبت ہوتی ہے جیسا کہ حضرت سلیمان کو ہوا اور آگ کی قیومیت سے مناسبت تھی۔ اور ان کے اندر اشیا کو تسخیر کرنے کی توی ہمت تھی۔ اس مناسبت کی رو سے ان کی ہمت میں برکت ہوتی۔ اور انہوں نے شیطانوں کو تابع کر لیا۔۔۔۔۔ سورۃ النمل میں ہد ہد سبا کی ملکہ بلقیس اور اس کے تخت کو پلک جھمکنے سے پہلے لانے کا قصہ مذکور ہے۔ شاہ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں:۔ اللہ نے بلقیس کے تخت کو احکامِ ناسوتیہ (اس دنیا کے احکام) کے دائرہ اثر سے باہر نکال لیا۔ اور اس پر عالم مثال کا حکم جاری کیا۔ (یہ اس کے پایہ حکومت یعنی عین میں ہوا اس صورت میں جب وہ حضرت سلیمان کے پایہ تخت میں پہنچ گیا) تو اس جگہ پھر اسے ناسوت (اس دنیا کے احکام) کا لباس پہنا دیا۔



**یونس علیہ السلام** | حضرت یونس کے متعلق قرآن میں آیا ہے۔ بے شک  
یونس رسولوں میں سے تھے جب بھاگ کر پہنچے اس  
بھری کشتی میں پھر قرعہ ڈلوا یا تو نکلے تصور وار پھر نکل لیا ان کو پھیلی نے اور وہ  
الزام کے مستحق تھے۔ (الصفات ۱۲۱-۱۲۲)

شاہ صاحب نے حضرت یونس کے قصے کی جملہ تفصیلات بیان کی ہیں۔ اور اس ضمن  
میں لکھتے ہیں کہ جب وہ کدو کی بیل سوکھ گئی، جو ان کو سایہ کیے ہوئے تھی۔ اور ہرنی جو  
دودھ پلاتی تھی، وہ چلی گئی۔ تو آیت کو بڑا رنج ہوا۔ اس پر اللہ نے ان کو وحی کی کہ ان پر  
توغم کرتے ہو۔ لیکن ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی تباہی کا تمہیں خیال نہ آیا۔ اس کے  
بعد شاہ صاحب لکھتے ہیں: اس وحی میں ان کے نفس نے بعض چیزوں کا جو اس کتاب  
کیا وہ انہیں ظاہر کیا گیا تھا۔ اور یہ اس لئے کہ جب کوئی زکی و پاکباز نفس کسی ایسی چیز کا ارتکاب  
کرتا ہے، تو اس پر ایک رنگ یا کیفیت وارد ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس حالت میں ضروری ہو  
جاتا ہے کہ وہ نفس اس رنگ یا کیفیت کو جانے اور یہ بھی جانے کہ یہ چیز اللہ کے نزدیک  
ناپسندیدہ ہے۔ اسے یہ علم خواہ مخاہ اب سے ہو۔ یا کسی خارج میں ہونے والے واقعہ  
سے جو خواب ہی کی طرح ہو یا وحی الہی سے جیسے کہ عالم برزخ میں جب طبیعت سکون  
پذیر ہوتی ہے، تمام نفوس کو علم ہوتا ہے۔

حضرت یونس کو بہت سے واقعات دکھائے گئے۔ یہ مثالیں تھیں حضرت یونسؑ  
کے لئے جو اپنی قوم کی ہلاکت چاہتے تھے۔ یہ ذکر کرنے کے بعد شاہ صاحب فرماتے  
ہیں: وہ انہیں دیکھ کر انہوں نے اللہ کے حضور میں عاجزی کی۔ اور وہ تائب ہوئے۔ اللہ  
نے ان کی پُرخلوص توبہ قبول کی۔ اور پہلے کی طرح ان کی کفالت کی۔ چنانچہ ان کی بیوی



کو ان کی طرف لوٹایا۔ انہیں سو دینار دیئے۔ ان کی اولاد کو ان کی طرف لوٹایا۔ انہیں پھولی کے بیٹے

سے نکالا۔ ان پر نشانیاں ظاہر کریں۔ اور انہی اپنی قوم میں سچا بنایا۔

اس کے بعد شاہ صاحب یہ کلمہ بیان فرماتے ہیں:-

اور یہ اس لئے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آئینہ کی طرح ہے

وَالْمِرَاةُ) جیسا کہ اس کا ارشاد ہے۔ یہ تمہارے ہی اعمال ہیں۔

جس کو میں تمہارے حساب میں رکھتا ہوں۔ پس جس نے اچھا کام کیا۔

اس کے نتیجے میں اس کے نفس نے اچھا رنگ اختیار کیا۔ اسے اس کا

اچھا بدلہ دیا جائے گا۔ اور جس نے بُرا کام کیا۔ اس کے نتیجے میں اس

کے نفس نے بُرا رنگ اختیار کیا۔ اسے بُرا بدلہ ملے گا۔ اور سب دل

اللہ کے ہاتھ میں ہیں

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ حضرت

مریم کی ماں ایک عمر رسیدہ بانجھ عورت

زکریا، مریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

تھی۔ انہوں نے ایک کبوتری کو اپنے بچوں کو دانہ کھلاتے دیکھا تو ان میں اپنے بچے کے

لئے اشتیاق پیدا ہوا۔ وہ رو پڑیں۔ اور اللہ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ نے ان کا بانجھ پن

دور کر دیا۔ اور بقول شاہ صاحب:- یہ اس طرح ہے۔ جیسے اطبا کہا کرتے ہیں کہ حیوانات

کو بحالتِ جفتی دیکھنے سے انسان کی نسلی قوتیں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ اور نامرد مر

ہو جاتا ہے۔“

حضرت مریم کی ماں بی بی حنہ کو بڑے کی خواہش تھی۔ چنانچہ ان کی قوتِ متخیلہ اعزم

راخ اور زبردست آرزو نے ان کے پیٹ میں جو بچہ تھا، اس پر اثر کیا۔ بی بی حنہ کے بلاں



بارکت لڑکی حضرت مریم ہوئیں۔ ان میں مردوں کا سا مزاج تھا۔ وہ جسم کی قوی مزاج کی کامل، صحیح فطرت و شائستگی کی مالک تھیں۔ اور ان کے یہ اوصاف ایسے تھے جیسے بڑے لوگوں کے ہوتے ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ وہ مرد عورت تھیں یعنی نظاً ہر وہ عورت تھیں لیکن ان میں مردوں کے اوصاف تھے۔ اور یہ اس لئے لکھا کہ ان کی ذات میں اللہ کی طرف توجہ اور اس سے امید و البتہ کرنے کی صلاحیت موجود تھی۔ اس بارے میں ان کی ہمت مجتمع ہوئی۔ یہاں تک کہ ان کی قوتِ مصورہ میں نفوذ کر گئی۔

حضرت مریم کے واقعہ حمل کو قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ پھر ہم نے اس (حضرت مریم) کی طرف اپنا فرشتہ بھیجا۔ پھر وہ بن کر آیا اس کے سامنے ایک پورا آدمی..... اس فرشتہ نے کہا میں بھیجا ہوا ہوں تیرے رب کا کہ تجھے ایک پاکباز و زکی لڑکا دوں... "شاہ صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں :- اللہ نے حضرت مریم کی طرف ایک کامل خلقت شباب اور جمال سے بھرپور نوجوان کی صورت میں جبرئیل کو بھیجا۔ حضرت مریم نے ان کو دیکھا اور وہ خود بھی جوان اور قوی المزاج تھیں۔ وہ ڈریں۔ اور اللہ سے صدقہ دل سے دعا کی کہ وہ ان کی عصمت کی حفاظت کرے۔ پھر ان کی عجیب حالت ہو گئی۔ طبیعت میں تو اسے نسلیہ کا ہیجان پیدا ہوا، جیسے کہ جماع میں ہوتا ہے۔ اور جیسے بعض اوقات دیکھنے سے انزال ہو جاتا ہے۔ یہ تو حضرت مریم کی طبیعت کی کیفیت تھی جہاں تک ان کے نفس کا تعلق تھا، وہ اس وقت اللہ کی طرف متوجہ تھا۔ اور اس سے پناہ مانگ رہا تھا۔ اس کی وجہ سے ان کا نفس عصمت کی کیفیت سے بس کا غیب سے فیضان ہوا تھا، بھرپور ہو گیا۔ اور الروح الامین (جبرئیل) کے اختلاط سے صورت انسانی ظہور ہونے والی تھی۔



غرض ایک طرف طبیعت کا ہیجانی و شہوانی پہلو تھا اور دوسری طرف نفس کا الوہی و  
ملکوتی پہلو۔ حضرت مریم کا حمل دونوں کے اجتماع کا نتیجہ تھا۔

حضرت عیسیٰ کا بغیر باپ کے حضرت مریم کے نطفے سے ہونا، شاہ صاحب اس کی  
یہ تاویل کرتے ہیں، حضرت مریم کی منی میں مرد کی منی کی قوت تھی۔ اس لئے ان کو حمل ٹھہر  
گیا۔ اور ان کے پیٹ میں جو بچہ تھا، اس میں حضرت مریم کو اللہ کی طرف جو خصوصی توجہ تھی، اس سے  
انہوں نے اپنی عصمت کی حفاظت کی جو دعائمانگی تھی۔ اور اس سے پناہ چاہی تھی۔ یہ سرفراز  
کو دیکھ کر انہیں جو خوشی و مسرت ہوئی تھی، یہ سب باتیں آئیں۔ حضرت مریم کی یہ کیفیت  
ان کے نفس کی ہر قوت میں یہاں تک کہ قوت مصورہ اور قوت مولدہ میں سرایت کر گئی۔  
بات یہ ہے جیسا کہ اطباء کہتے ہیں کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کے ٹال لڑکا ہو، وہ جماع  
کے وقت رط کے کا تصور کرے۔ حضرت مریم کے پیٹ میں جو بچہ تھا جیسا کہ قرآن میں آیا ہے۔  
نَفَخْنَا فِيهَا مِنْ رُوحِنَا۔ (الانبیاء ۹۱)

سے اس میں عالم مثال کے احکام اور روح کے خواص آگے کیونکہ بچے کی صورت بننے  
کا سبب وہی تھا۔ اس کی وجہ سے حضرت عیسیٰ کی جبلت میں جبرئیل سے مشابہت بلکہ اسخ  
حصول پذیر ہو گیا۔ یہ ہیں معنی قرآن کی اس آیت کے وَابْدُنَا مِنْ رُوحِ الْقُدُسِ (البقرہ ۸۱/۲۵۴)  
(اور ہم نے اس کی روح القدس سے تائید کی)

حضرت عیسیٰ کو جو مختلف نشانیاں دی گئیں، شاہ صاحب نے ان کا ذکر کیا ہے۔ حضرت  
مریم پرزنا کی تہمت لگائی گئی۔ اور حضرت عیسیٰ نے باوجود بچہ ہونے کے جس میں کہ قوت گویائی  
نہیں ہوتی، اپنی ماں کی مدافعت کی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ یہ ان کی قوت روحانی کی  
وجہ سے ہوا۔



قرآن میں حضرت عیسیٰ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ انہوں نے فرمایا: "بیشک میں تمہارے لئے مٹی سے پرند کی صورت بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتی ہے۔" (آل عمران ۴۹) شاہ صاحب لکھتے ہیں حضرت عیسیٰؑ کے مٹی کے پھونکنے کے ضمن میں اس مٹی کی صورت میں زندگی سراپت کر جاتی تھی۔ پس یہ معاملہ دو باتوں میں منحصر تھا حضرت عیسیٰؑ کا زور سے پھونک مارنا اور اس کا زندہ ہونا اس کے بعد وہ پرندہ مر جاتا تھا

آل عمران ہی میں حضرت عیسیٰؑ کا یہ قول مذکور ہے: "میں ٹھیک کرتا ہوں۔ اندھے اور بصر والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے" شاہ صاحب مردوں کو زندہ کرنے کے باب میں فرماتے ہیں: "جسم سے نفس یعنی زندگی کا جو تعلق تھا، وہ تعلق وہی حقیقی زندگی کا تھا جب حضرت عیسیٰؑ دعا کرتے تھے تو اس تعلق وہی میں اللہ برکت دیتا اور اس پر زندگی کا عکس پڑتا اس طرح مردہ زندہ ہو جاتا۔ پھر جب حضرت عیسیٰؑ اس سے الگ ہوتے تو وہ مر جاتا۔"

یہودیوں کی شریعت بڑی سخت تھی حضرت عیسیٰؑ نے بہت سی چیزیں جو ان پر حرام تھیں، حلال قرار دیں۔ شاہ صاحب کے الفاظ میں عیسیٰؑ علیہ السلام کے دین میں وسعت اور سہولت ہے۔ اور اس کا وجہ یہ ہے کہ پر مشقت احکام اس وقت آتے ہیں جب ملکیت اور بہیمیت میں تصادم ہوتا ہے۔ اور حضرت عیسیٰؑ تو گویا زمین پر چلنے والے فرشتہ تھے۔

یہودیوں کا کہنا تھا کہ "ہم نے عیسیٰ بن مریم کو جو اللہ کے رسول تھے قتل کر دیا۔" (النساء ۱۵۶) قرآن ان کے جواب میں فرماتا ہے: "تو انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی۔ لیکن وہی صورت بن گئی ان کے آگے اور جو اس بارے میں



اختلاف کرتے ہیں۔ وہ اس کے متعلق شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی علم نہیں۔ وہ محض ظن و تخمین کی پیروی کرتے ہیں۔ اور یقیناً انہوں نے اُسے قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا ہے“ (النساء ۱۵۶)۔ شاہ صاحب اس بارے میں یہ لکھتے ہیں :-

”اللہ نے اُن کی ایک مثالی ہیئت بنائی۔ اور انہیں آسمان کی طرف اٹھالیا۔ اور اُن کے پیروؤں یا اُن کے دشمنوں میں سے کسی شخص کی اُن جیسی شکل و شباہت بنا دی۔ اور وہ اس شبے میں قتل کر دیا گیا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کے پیروؤں کو اُن کے دشمنوں پر فتح دی۔ اور وہ غالب ہو گئے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے اصول جو اُن نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تاویل کے مرجح ہیں، یہ ہیں۔ ایک یہ کہ ملاء اعلیٰ

اور آپ کے درمیان فطری مناسبت تھی۔ بسبب اس کے آپ کا نفس ناطقہ بلند تھا۔ آپ کا مزاج جس کا تعلق نسو یا روح طبعی سے ہوتا ہے، کامل و معتدل تھا اور اچھے اخلاق کا مستوجب تھا۔ اور آپ کے مزاج نسو اور نفس ناطقہ میں اصطلاح کی بنیاد پر اجتماع تھا۔ اس سے یہ لازم آیا کہ ملاء اعلیٰ کی جانب سے آپ کے قلب میں برابر تائید وارد ہوتی رہے۔ اور یہ تائید کبھی اس صورت میں ہو کہ ملاء اعلیٰ آپ کو دکھائی دیں۔ کبھی آپ کو وہ مخاطب کریں اور آپ کے قلب میں الہام کریں۔ اور کبھی

اصطلاح سے مراد یہ ہے کہ قوت لکھیہ اپنے طبعی تقاضوں اور اس کا جو کمال کا درجہ ہے، اس سے قدرے نیچے اترے۔ قوت بہیمیہ اپنی سفلی خواہشات کو دبا کر ملکیت کی طرف ترقی کرے۔ اور یہ دونوں ایک ایسے مقام پر ملیں کہ اس مقام سے بہیمیت کو بھی مناسبت ہو۔ اور اس کا ملکیت سے بھی لگاؤ ہو۔ سماعت تابعیت شاہ ولی اللہ



آپ ان کو خواب میں دیکھیں۔

اس کی مثال شاہ صاحب یہ دیتے ہیں۔ جو آدمی بہادر اور اپنی بہادری میں کامل ہوتا ہے، معمولی سے معمولی سبب ہو، اس کے اندر بار بار بہادری کے جذبات ابھرتے ہیں۔ اسی طرح چونکہ آپ اور ملاء اعلیٰ کے درمیان فطری مناسبت تھی۔ اس لئے نیند ہوتی یا بیداری، جب بھی آپ ملاء اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے، ملاء اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے مطابق جو آپ کو گھیرے ہوتے، اللہ تعالیٰ جو چاہتا آپ پر مترشح ہوتا۔

ملاء اعلیٰ سے آپ کے اس خصوصی تعلق کی بنا پر آپ کی ہمت اُدھر متوجہ رہتی۔ اور ملاء اعلیٰ کا برکتیں ہر وقت آپ کا احاطہ کیے رہتیں۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ اسی طبعی خصوصیت کی بنا پر آپ کا سینہ شوق ہوا۔ اور اس میں حکمت اور ایمان بھر گیا۔ آپ کو بیت المقدس اور وہاں سے آسمانوں پر اور اس کے بعد جہاں اللہ نے چاہا لے جایا گیا۔ آپ نے انبیاء علیہم السلام کی روئیں دیکھیں اور ملائکہ کو ان کی اپنی صورتوں اور شکلوں میں متشکل دیکھا۔ انبیان اعظم یعنی امام نوع انساں کے دل میں جو صورت تھی ہے، آپ وہاں تک پہنچے، اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ اسی خدا و فطری استعداد کی بنا پر آپ ملاء اعلیٰ سے علم تہذیب نفس حاصل کرنے کے مستوجب بنے۔ پھر آپ نے اُس زمانے میں جو اعمال نیک و بد تھے، ان میں غور و تامل کیا۔ اور ہر دو کا نفسیاتی مصدر و منبع جاننا اور اچھی معلوم کیا نیک اعمال کیسے کیے جاتے ہیں اور بُرے اعمال سے کیسے بچا جاتا ہے۔ پھر آپ کو اللہ نے ایسی سمجھ عطا کی تھی جس سے آپ ارتفاقات (مبعثت و معاشرت) کو احوال کو جانتے تھے۔ آپ نے ان مصلحتوں کو جاننا جو قوم کا معمول ہوتی ہیں صحیح و غیر



صحیح کو معلوم کیا۔ اور آراء کلیہ اور آراء مجزیئہ کو جاننا۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔ ان امور میں سے ایک امر یہ ہے کہ اللہ نے اپنے بندوں پر لطف کرنے کا ارادہ کیا۔ یہ لطف عبارت تھا اس سے کہ لوگوں کو ان کی بری باتوں پر تنبیہ کی جائے۔ اور انہیں حق کا راستہ دکھایا جائے۔ اللہ کا یہ ارادہ ملاو اعلیٰ میں متحمل ہوا۔ اور اس نے ایک مثالی شخص کی صورت اختیار کی۔ جسے ہم نبی الانبیاء سے مرہوم کرتے ہیں۔ اور یہ شعائر الہیہ کی اصل اور بنیاد ہے۔ اسی کا فیضان نبی آدم کے قلوب پر ہوا۔ ایسے انسانوں کو رسل اور انبیاء کہا جاتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ اس آخری دور میں آپ کی ذات با برکات اس صورت کے لئے جو نبی الانبیاء سے نازل ہوئی، مادہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ یہ صورت اس طرح نازل ہوتی ہے۔ جیسے آیتہ میں کوئی شکل۔ صورت کا یہ نزول اللہ کے ارادے کا متحمل ہونا ہے۔ اس صورت یا اللہ کے ارادے سے احکام الہیہ کا پتھر ٹھوٹا۔ اس طرح لوگوں کو ایک ایسے پائدار امر کا مکلف بنایا گیا جس میں تحریف نہ ہو سکے اور تسلسل سے اس میں کوئی خلل واقع نہ ہو۔ اور تقرب الی اللہ اسی سے حاصل ہو۔

شاہ صاحب اس باب کے آخر میں ایک جگہ لکھتے ہیں کہ جب تم انسان کا تصور کرتے ہو۔ تو تمہارے ذہن میں انسان کی صورت آئے گی۔ یہ صورت خود انسان نہیں ہے، بلکہ یہ اس کا منظر اور منصفہ شہود ہوگی۔ انسان کی حقیقت اس سے مادہ ہے۔ اسی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام شریعت کے لئے مادہ ہوتے ہیں لیکن بخسبہ وہ نہیں ہوتے۔ وہ تو اس صورت علمیہ کے ساتھ جس کا نبی الانبیاء سے نزول ہوتا ہے، زیادہ مشابہت رکھتی ہے۔ گویا شریعت ایک لحاظ سے آپ کے اقوال اور علوم میں داخل ہے۔ تو دوسرے لحاظ سے اس سے خارج لیکن اس سے متعلق ہے۔

آپ کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے شاہ صاحب کہتے ہیں:۔ آپ سے جو معجزات ظاہر ہوئے محکم دلائل و براہین سے مزین متنوع و منفرد کتب پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ



بلکہ جو کہ امتیں کمال لوگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتی ہیں، ان کے کچھ اصول ہیں۔ ان میں سے ایک بخت ہے۔ بخت سے شاہ صاحب ذاتی استعداد بھی لیتے ہیں۔ اور حالات و واقعات کی اثر اندازی بھی۔ دوسرا آپ احسن تقویم اور محتلی تہیں مزاج کے ساتھ ایسے وقت میں پیدا ہوئے جب ستاروں کی قوتوں کا بہت اچھا اجتماع تھا۔ یہ آپ کے لئے بزرگی، غلبہ اور عرب و عجم کی امامت کے متقاضی ہوا کہ لوگوں کی پیشانیوں آپ کے سامنے جھکیں اور آپ سے منسوب عیلت ایوم قیامت تک رہے۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ آپ مغہم من اللہ تھے گزرے ہوئے اور آئے والے واقعات کی خبروں کو جس قدر اللہ چاہتا آپ غیب سے حاصل کر لیتے تھے۔ اور چوتھا یہ کہ آپ کے نفس اور اس کے جمیع تعلقات کو عظیم برکت و می گئی۔ برکت کی حقیقت یہ ہے کہ بلا اعلیٰ کی رحمتوں، دعاؤں اور رضا کا ایک وسیع سبب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ اس کے نفس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس سے طبعی اسباب میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ انسان کی عادت پر ایسی نفسیاتی کیفیت طاری ہو جاتی ہے کہ اسے بھوک محسوس نہیں ہوتی۔ اور حرارت غیریزی سے اس کے بدن کے اجزاء میں خلل واقع نہیں ہوتا۔ جب اس استعداد کے ساتھ برکت بھی شامل ہو جائے تو یہ صلاحیت عقلی اقتضا سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

یہاں شاہ صاحب ایک اور امر کی وضاحت کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ ہر نفس میں اس کا اپنے رب تبارک و تعالیٰ اور اس کے سخاوت کے مارے میں جو اعتقاد ہوتا ہے، اس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اس طرح اس کے قلب کو جس چیز کے ساتھ وابستگی ہوتی ہے، اس کی بھی قلب میں ایک صورت ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب نفس اپنی پوری ہمت کے ساتھ اس اعتقاد کی طرف توجہ کرتا ہے تو وہ اعتقاد کسی نہ کسی شکل اور صورت کا لباس پہن لیتا ہے۔ یہ اکثر تو خواب میں ہوتا ہے۔ اور کم تر بیداری میں ہوتا



ہے۔ پھر بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس میں یہ استعداد ہوتی ہے۔ اور اسے برکت بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ اس سے تجلیات اور مبشرات کا ظہور واجب ہو جاتا ہے۔ اور اس تک عوام کی پہنچ نہیں ہوتی۔

رسول اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جو معجزات با زائر مروی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ طعام یا پانی پر دعا فرماتے تھے۔ اور اس میں بہت برکت ہو جاتی تھی۔ یہ یا تو ایسا ہوتا۔ کہ صرف اس چیز کا نفع بڑھ جاتا اور وہ چیز زائد نفع کی جگہ لے لیتی۔ یا خود وہ چیز بھی زیادہ ہو جاتی اور اس کا مادہ ملاء اعلیٰ کی سمٹوں کے انوار سے متاثر ہوتا۔ اور وہ پانی اور طعام کی صورت اختیار کر لیتا۔ عادی امور میں اس کی نظیریں موجود ہیں۔ ان دونوں خصوصیتوں میں آپ کے ساتھ مفہم اور اولیاء بھی شریک ہیں۔ چنانچہ تم ان کے مناقب کی کتابیں کشف دل کی بات معلوم کر لیتا غیب سے آواز آتا، دعا کا قبول ہونا اور اس طرح کی دوسری باتیں جی کرانا سے بھری ہوئی پاؤ گے۔

اسی طرح جو خوارق عادت واقعات ہوتے ہیں، شاہ صاحب یہاں ان پر بھی بحث کرتے ہیں لکھتے ہیں:۔ ان کم ہوتے والے واقعات کے اسباب تو ہوتے ہیں لیکن چونکہ وہ قلیل الوقوع ہوتے ہیں اس لئے انہیں خوارق کا نام دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد وہ اس کی یوں مزید وضاحت فرماتے ہیں:۔ حق یہ ہے کہ ہر وہ واقعہ جس کو خارق یا عادت کے خلاف کہا جاتا ہے، وہ فی الحقیقت امور عادیہ میں سے ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ اس کے اسباب قلیل الوقوع ہوتے ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی کم ہوتا ہے کہ عوام اس کی توقع نہیں کرتے۔ اس لئے اسے خوارق کہا جاتا ہے۔ بسا اوقات ان کے بل ان اس امر خارق کے لئے مالوف نظیر بھی ہوتی ہے۔ بلکہ یہ نظیر خارق ہونے میں اس واقعہ سے بھی کامل ہوتی ہے لیکن اس کی طرف عوام التفات نہیں کرتے۔ غرض جب ان کے بل ایسا کوئی خارق



وقوع پذیر ہوتا ہے۔ تو وہ اسے بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ اس پر تعجب و حیرت کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کی زبانوں پر اس کا ذکر ہوتا ہے۔ اور اسے وہ کتابوں میں لکھتے ہیں۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر انبیاء کے معجزات کی اہمیت کیا ہے؟ شاہ صاحب اس بارے میں فرماتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء میں سے کسی کو جس سے بوجہ صبر الوجود ان کو معجزہ قرار دیتا ہے۔ یہ وجہ یا تو یہ ہوتی ہے کہ نبی اس واقعہ کے ظہور سے پہلے ہی اس کی خبر دے دیتا ہے۔ یا یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنت مکافات وغیرہ کے مطابق ہوتا ہے۔ جیسے کہ اللہ نے عاد اور ثمود کو ان کے ان گناہوں کی وجہ سے ہلاک کیا جو موجب ہلاکت تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے سورۃ الاحقاف میں علیہما السلام کے لئے معجزہ بنا دیا۔ یہاں شاہ صاحب نے ”شوق القمر“ کا بھی ذکر کیا ہے۔ یہ بحث خود شاہ صاحب کے الفاظ میں پیش ہے۔

ایک ایسے عالم نے جسے علم الاثر اور حکمت طبعیہ کی معرفت ہے۔ کہا ہے کہ چاند کا شوق ہونا اس قسم کے معجزات میں سے ہے۔ کیونکہ یہ بھی قلیل الوقوع حادثہ تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت کی علامت بتایا جیسا کہ اس نے سورج اور چاند کو گرمین لگے مہول زلزلوں اور جنگوں کو اس کے لئے نشانیوں بنا دیا۔ شوق القمر کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اللہ نے اس لئے معجزہ بنا دیا کہ لوگوں نے آپ کو کسی نشانی (آیت) کا مطالبہ کیا تھا۔ پس اللہ نے یہ خبر دی کہ وہ انہیں نشانی (آیت) دکھائے گا۔ جب چاند شوق ہو گیا تو اللہ نے انہیں یہ دکھا دیا۔ اس (عالم نے جسے علم الاثر اور حکمت طبعیہ کی معرفت ہے) کہا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ بعینہ چاند میں انشقاق واقع ہوا ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ واقعہ دھوئیں یا ستارہ کے ٹوٹنے یا سورج اور چاند کو گرمین لگنے

سے اس سے راو غالباً نشا۔ ولی اللہ صاحب خود ہیں۔



کی طرح کا ہو۔ جیسا کہ فضائیں لوگوں کی آنکھوں کے سامنے ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ ان چیزوں کے لئے عربی لغت کے وہ الفاظ استعمال کئے گئے جو فی الواقع ان کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ اور قرآن عربی لغت میں نازل ہوا ہے۔ اس کی نظیر وہ ہے جس کا ذکر عبداللہ بن مسعود نے کیا ہے۔ اور اس بارے میں وہ یہ کہنے لگے۔

(عبداللہ بن مسعود نے کہا) لوگوں کو قحط نے آلیا (بھوک کی شدت میں) جب وہ دیکھتے تھے تو انہیں آسمان میں دھواں نظر آتا تھا۔ اس بارے میں قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ (یاد کر جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا)

شاہ صاحب نے اس تاویل کی تائید میں ابن الماجشون کا حوالہ بھی دیا ہے لکھتے ہیں:- ابن الماجشون نے جو آئمہ ہدایت میں سے ایک امام ہیں، کہا:- اللہ تعالیٰ تبارک کے دان ایک صورت سے دوسری صورت میں تبدیل نہیں ہوگا۔ لیکن لوگ اسے مختلف صورتوں میں دیکھیں گے ابن الماجشون نے یہ بھی کہا۔ اس حادثے کا سبب پانی کے صاف اور باہم مربوط اجزا کا ایک سطح کی طرح جمع ہونا ہے۔ اس کے عقب میں پہاڑ یا گہرا بیل ہو۔ اور وہ آئینہ کی طرح بن جائے۔ اور اس میں چاند کا عکس پڑے۔ چنانچہ لوگ فضا میں دو چاند دیکھیں۔ کبھی وہ چیز انطباع پذیر (منعکس) ہوتی ہے جو آسمان میں نہیں ہوتی۔ اور کبھی چاند بعینہ چھپ جاتا ہے۔ اور فضا میں دو ٹکڑے ظاہر ہوتے ہیں۔ اور اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سورج اور چاند کو گہرے گنا اور ستاروں کا ٹوٹنا۔ نص میں آیا ہے کہ یہ سب نشانیوں (آیات) ہیں۔

محمد سرور



—: ۷۸۶:—

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

صِبْ تَعْرِیْفِ اللّٰهِ كِیْے یے جِس نے صاف و روشن امر اور رُشْد و ہدایت کے ساتھ انبیاء کو مسپوٹ کیا۔ اور ان کے سینوں میں اپنی ذوات و اسماء کے معارف اور ایجاب کے اصرار کے خزانے علم رکھے۔ اور ان کی زبانوں سے وہ کہلوا یا جس سے کہ وہ شخص کو اس کی نظمِ فطرتِ عبیبِ شاعری سے پاک ہے۔ تہذیب حاصل کرے۔ اور جو حق کے انکار اور اس کی مخالفت پر مُصر ہے، اس پر حجت قائم ہو۔ پھر ان کے احوال کو قُرب کے نشیبوں اور بلندوں میں منصرف کیا اور ان پر اپنی قدرتوں اور حسابوں سے نادر نتائج ظاہر کیے۔ پس کتنی برکتیں بوجہ اس کی رحمت کے انہیں ڈھانپ لینے کے، جاری ساری ہوئیں۔ اور اس نے ان کی مدد کی۔ اور کتنی تکلیفیں اس نے ان پر کم کر دیں تاکہ جو کچھ وہ ان پر نازل اور وارو کرتا ہے۔ اس کے متعلق ان کے دلوں کو مضبوط کرے اور کتنے معجزے تھے کہ ظاہر ہوئے تاکہ جسے اپنی بدبختی سے ہلاک ہونا ہے، وہ واضح دلیل سے ہلاک ہو۔ اور جسے اپنی سعادت مندی سے زندگی پانا ہے، وہ واضح دلیل سے زندگی پائے۔ اور دشمنوں کے کتنے فریب تھے کہ کفر کے قلع و قمع اور اس کے خلاف جہاد کے وقت



انہیں ان کے سینوں پر ٹوٹایا۔ اور کتنے دشمن تھے کہ ان (انبیاء) کی قبول ہونے والی  
دعا نے انہیں توڑ کر رکھ دیا۔ یہاں تک کہ ان کو ان کی قبروں اور محدودوں میں داخل کر دیا۔  
اور کتنے رویا تھے کہ ان میں ان (انبیاء) کے لیے بزرخ اور حشر کے اسرار اور جو کچھ ان  
پر معاد میں وارد ہوتا ہے، وہ سب متماثل ہوئے۔ اور کتنے ہی واقعات تھے کہ ان میں  
ملکوت اور جبروت کے اسرار متشکل ہوئے۔ پس انبیاء ان کی وجہ سے اس (اللہ) کی مژد  
پر مطلع ہوئے۔ اور اس (اللہ) نے ان واقعات میں سے ہر واقعہ میں ایک بستر رکھا۔  
اسے وہی جان سکتا ہے، جسے اللہ اپنے بندوں میں سے، جنہیں اس نے تاویل الاحادیث  
کا علم دیا۔ اور ان کے سینوں کو نئے وارد ہونے والے اور قدیم علم کے لیے کھول دیا۔ پس  
پاک ہے وہ ذات جو جتنا چاہے اور جسے چاہے، اپنے علم اور اپنے سامان سے عطا کرتی  
ہے، اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ میں اس  
کی گواہی دیتا ہوں، ایسی گواہی کہ اللہ کے بندوں پر اس کا جو حق ہے، وہ ادا ہو اور میں شہاد  
دیتا ہوں کہ ہمارے سرار محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اور آدم اور ان کے  
بعد جو ہوئے، روز حشر کو جب بڑی سخت مصیبت ہوگی، ان کے جھنڈے تلے ہوں گے۔  
اس کے بعد بندہ ضعیف اپنے رب کریم کی رحمت کا محتاج احمد مدعو رب ولی اللہ بن عبدالمہم  
اللہ اس دنیا اور آخرت میں ان دونوں کے ساتھ ہو۔ کہتا ہے: یہ چٹھے ہیں جو تاویل احادیث کے علم  
سے بیوسٹے ہیں۔ اور شاغلیں ہیں جو سرالموارث کے درخت سے نکلی ہیں۔ جو انہیں جانے گا، انہیں  
غیبت سمجھے گا اور جو ان کے رموز حل کریگا اور ان کا انکشاف کرے گا۔ ان سے نائدہ  
انعامیگا۔ میں نے ان کا نام تاویل الاحادیث رکھا ہے تاکہ وہ اس دبیز پڑے کے ذریعہ  
انکشاف کا عنوان بنے اور سب تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے بہت زیادہ اور بہت اچھی  
تعریف جس کی مذکوٹی حد ہے اور نہ شمار میں آتی ہے۔



## مُقَدِّمَةٌ

تمہیں یہ معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ جب انسان کی زبان میں انسان پر علم نازل کرتا ہے تو علم کا یہ نزول اس کے مرتبہ ذات سے انسانوں کی طرف تدریجی اور تہجلی کی صورت میں ہوتا ہے اور یہ نزول مجاز اور کنایت کے طریقے پر نہیں ہوتا، جو کہ عام علوم کا طریقہ ہے۔ بلکہ نزولِ علم کا یہ طریقہ "تجوّز طبعی" کا ہوتا ہے۔ جیسا کہ جب انسان کے حواس پر ایسی حالت کے علم کا جو اسے عنقریب پیش آنے والی ہوا فیضان ہوتا ہے، تو اس کو افعالِ ارادی و غیر ارادی اور اجسام و حیوانات میں سے، جو کسی نہ کسی لحاظ سے اس فیضان ہونے والی اجمالی حالت سے مشابہ ہوتے ہیں، خواب دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ ایک آدمی کو اس امر کا فیضان ہوا کہ وہ بادشاہ بنے گا۔ تو یہ بادشاہت اس کو خواب میں تاج یا ہاتھی کی صورت میں تشکل پذیر ہوتی ہے۔ پس وہ دیکھتا ہے کہ ایک آنے والا آیا اور اس نے اسے تاج دیا۔ یا اسے اس نے ہاتھی پر سوار کرایا۔ اب تعبیر کرنے والا اس کی یوں تاویل کرے گا کہ اس خواب سے مراد بادشاہت کا حصول ہے۔ اور تاج اور ہاتھی عبارت ہے بادشاہت سے۔ اور ایک آنے والے کا آنا اور اسے اس کا تاج پہنانا اور ہاتھی پر سوار کرنا، اس کے معنی پر

یہ اس کی صحت ذرا آگے آتی ہے۔



ہیں کہ امر وقوع پذیر قریب ہے۔

اور یہ کہ انسانی علوم میں سے جو کہ اس کے لیے جیتی ہیں، یہ ہے کہ ہر حادثے کا کوئی سبب ہوتا ہے۔ سو یقیناً اس خواب میں آنے والے کا آنا اور اس کا اسے تاج پہنانا اور ہاتھی پر سوار کرنا اس کے لیے ایک سبب کی شکل اختیار کر گیا۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ کسی ایسی اجمالی حقیقت کی طرف انتباہ کرنا چاہتا ہے کہ وہ جس کے دائرے سے باہر ہوتی ہے۔ تو وہ اس اجمالی حقیقت کا قصے یا کلام کے ذریعہ، جو مجموعی طور پر اس کے مشاغل ہوتا ہے جس کا کہ اللہ نے ارادہ کیا ہے، اسے انتباہ کرتا ہے۔ جیسا کہ سوتے وقت خواب کے ذریعہ بادشاہ بننے والے کو وہ چیزیں دکھائی گئیں۔ چنانچہ اس کی مثال یہ ہے کہ اللہ کی سر بلندی اور عظمت کی تعبیر، بادشاہوں کی رفعت، شان اور شہر میں ان کے حکم کے چلنے سے کی جاتی ہے۔ اور اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے، **بَلْ يَلْمِزُكَ أَكْثَرُ النَّاسِ** و بکہ اس کے دلوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں، اسی طرح دوسری آیات متشابہات ہیں جیسے کہ اللہ کا ہنسنا وغیرہ۔

جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ بتانا چاہا کہ وہ فیاض ہے، تو فیاضی کی خواب میں جو صورت ہوتی ہے یعنی ہاتھوں کا کھلا ہونا، تو اس نے ہم سے اس کے متعلق کلام فرمایا۔ اور جب اس نے ہمیں یہ بتانے کا ارادہ کیا کہ وہ آسمانوں اور زمین کی تدبیر کرنے والا ہے تو اس نے عالم مثال میں تدبیر کی صورت کی طرف نظر کی۔ اور وہ بادشاہوں کی اپنی سلطنت میں بلندی و برتری ہوتی ہے۔ چنانچہ اس نے ہم سے اسی طرح کلام فرمایا۔ اس کے کلام کی بنیاد اس نوعیت کی نہیں ہوتی۔ جس کا کہ ذکر علم البیان بھی کیا جاتا ہے، اگرچہ بعض صورتوں میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ باقی اللہ بہتر جانتا ہے۔ "تجوڑ طبعی" سے میری مراد کسی



حادثے، واقعہ منتظمہ یا کلامی کلماتے کا اجمالی معنوی ستر کے ذریعہ نقل کرنا ہے۔ ان علما کے ساتھ جن کا کہ طبیعت خواب میں خیال رکھتی ہے۔ جب کہ اسے کوئی اجمالی علم حاصل ہوتا ہے اور وہ اسے ایک صورت سے دیتی ہے۔

تہیں یہ معلوم ہے کہ کاملوں کے نفوس پر جو احوال وارد ہوتے ہیں اور عالم مثال میں جو واقعات مترتب ہوتے ہیں؛ تو یہ ان نفوس کی تکمیل کے لیے ہیں۔ پس ان کا حکم خواب کا ہے۔ اسی طرح عالم میں وقوع پذیر ہونے والے سارے کے سارے حوادث خوابیں ہیں۔ اور یہ کہ ان کے اصول اور اسباب ہوتے ہیں۔

اصولوں میں سے ایک یہ ہے:

اللہ کا اپنے بندوں کے بارے میں الہامات، احالات اور تقریبات کے ذریعہ تدبیر کا ارادہ۔ پس رحمت نظام خیر کی طرف بالذات اور حادثہ کے وجود کی طرف بالطلع

سے، شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ تدبیر الہی اس دنیا میں مختلف صورتوں میں تصرف کرتی ہے۔ اپنی میں سے احالہ و تبدیلی اور الہام و القا بھی ہیں۔ حضرت شاہ صاحب احالہ کی یہ مثال دیتے ہیں:-

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ پر آگ کو خوش گوار ہوا اور ٹھنڈک سے تبدیل کر دیا اور الہام و القام کی یہ مثال دیتے ہیں۔ حضرت کو خدا نے کشتی کو چیر ڈالنے، دیوار کو سیدھا اور مہوار بنا دینے اور اراکے کو قتل کرنے کا الہام کیا۔ یا مثلاً یہ کہ انبیائے کرام پر کتابیں اور شریعتیں نازل فرمائیں۔ اور الہام کی صورت دنیا میں کبھی اس طور پر رہی کہ کوئی شخص کسی امر میں مبتلا ہو گیا اور ضرورت اس کی داعی ہوئی کہ الہام کے ذریعہ اس کو اس ابتلا سے نجات دی جائے۔ چنانچہ خود اسی کو الہام کیا گیا اور اس کی ضرورت پوری کر دی گئی۔

عالم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی تین صفات ہیں۔ ایک ابداع۔ یعنی عدم محض سے کسی (کچھ) مخرج



متوجہ ہوتا ہے اور وہ اس حادثے کے لیے اپنے بندوں کو الہام، اشارہ اور تقرب کا فیضان کرتا ہے۔ پس وہ عادت کے طریقوں میں سے اسے چُن لیتا ہے، جو اس وقت سب سے قریب چیز ہوتی ہے۔ چنانچہ خارجی واقعہ اس صورت میں جو ظہور کے قریب ہوتی ہے اور جس کا اسے الہام ہوتا ہے، تدریجاً ظاہر ہوتا ہے اور طبائع اور نفوس کا اس صورت کو قبول کرنا ان کی استعداد کے مطابق ہوتا ہے۔ یہ واقعہ جو ظہور پذیر ہوتا ہے مدوہ شح اور خواب ہے۔ اور وہ تدبیر اصل اور خواب کی تعبیر ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ زمین میں خلیفہ بنائے۔ چنانچہ اس نے آدم کو پیدا کیا اور انہیں ایک مثالی حقیقت نے احاطہ کر لیا۔ جسے جنت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس ان سے اہل جنت کا سامعہ کیا گیا۔ اور ان کے زمین میں خلیفہ ہونے کا دروازہ بند ہو گیا۔

پس آدم علیہ السلام کو ان کے لوحِ نفس کی صفائی کے مطابق متنبہ کرنے کے سلسلے میں تقریبات کا ظہور ہوا کہ درخت (کا پھل) کھانا ان پر حرام ہے۔ کیونکہ وہ انہیں جنت یقینہ ماثیہ، چیز کو وجود میں لانا۔ دوسری تخلیق۔ یعنی ایک چیز سے دوسری چیز پیدا کرنا۔ اور تیسری تدبیر یعنی علم خداوندی میں جو مصالح ہیں ان کے مطابق حوادث کا رد و نما ہونا۔ ماخوذ از حجتہ اللہ البالغہ

یہ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ آدم علیہ السلام ارضی یعنی زمین سے تعلق رکھنے والے تھے لیکن اپنے کمال کی وجہ سے انہوں نے اخروی بدن حاصل کر لیا، چنانچہ انہیں جنت میں مسکونت دی گئی۔

پس اس طرح وہ مثالی جسم سے مشابہ ہو گئے۔ (تفہیمات ج ۲ ص ۱۱۸)

۱۷ کیونکہ کسی بھی مثالی جسم کے لیے زمین میں قرار نہیں۔ اور آدم تو مثالی جسم ہو گئے تھے (انگلے ص ۱۱۸)



سے نکالے جانے کا سبب بنے گا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام کے لیے یہ انتباہ واجب کرنے والی وحی بن گیا۔ اور شیطان اپنی شرمی حقیقت کی بنا پر آدم علیہ السلام کے دل میں دوسو سے ڈالنے کی استعداد رکھتا تھا۔ اور آدم علیہ السلام کی طبیعت اس درخت کے پھل کو کھانے کی سچی صلاحیت رکھتی تھی۔ پس انہوں نے اسے کھایا۔ پس ان پر عتاب ہوا اور وہ جنت سے نکالے گئے۔ یہ سب خواب اور رویا ہے اور اس کی تعبیر یہ ہے:

اس سے اللہ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ آدمؑ زمین میں خلیفہ ہوں اور اپنے نوعی کمال کو پہنچیں۔ باقی انہیں درخت کا پھل کھانے سے منع کرنا، پھر شیطان کا دوسو سے ڈالنا، بعد ازاں ان پر عتاب ہونا اور انہیں جنت سے نکالا جانا، تو یہ سب ان کے عالم مثال سے اس عالم ناسوت میں نہر سجا نکالے جانے کے لیے تقریب کی صورت ہے۔

اور اصولوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک نفس اپنی اصلی فطرت کے اعتبار سے کمال کی استعداد رکھتا ہے جیسے کہ اس کا ستر الہی سے منتہی ہونا یا اس کا ملاء اعلیٰ سے اتصال قائم ہونا، یا اللہ کے رنگ میں رنگا جانا۔ پس اس نفس کے لیے اپنے اعلیٰ مقام تک پہنچنے اور اپنے کمال کے ظہور کے لیے ایک معلوم و معین نظام ہو گا۔ اور طبیعت

(بقیہ حاشیہ) اور زمین میں قرار سے ہوتا ہے جو "صاحب تجلیط" یعنی اس میں مثالی اور ارضی دونوں حیثیتیں مخلوط ہوں۔ اور یہ عام حق ہے۔ اور جب آدم نے اس کی تمنا کی یعنی انہیں اس کا ذوقاً علم ہوا۔ شیطان نے اس میں مداخلت کی۔ پس "تجلیط" معصیت کی صورت میں ان کے لیے متمثل ہوئی۔ چنانچہ ان کے سینے سے یہ نکلا کہ اگر معصیت نہ ہوگی تو انہیں زمین میں قرار نہیں حاصل ہوگا۔ (تفسیرات ج ۲ ص ۱۱۹)



اور رسوم کی وجہ سے اس نفس کی لغزشیں ہوں گی یا وہ بدن کی کدورتوں سے طوٹ ہوگا۔ اور نفس کی یہ لغزشیں جہن کی ان کدورتوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ چنانچہ ملاء اعلیٰ سے اس کا یہ اتعالیٰ اللہ کے رنگ میں رنگا جانا اور بعض اوقات ماویات سے نکل جانا اس کے حواس میں یا عالم مثال میں ایک واقعہ کی صورت میں مرتب ہوتا ہے۔ اور اس کی تعبیر ان امور میں سے کوئی ایک امر ہوتا ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ابتدائے فطرت میں ملکوت سے متصل، ملاء اعلیٰ سے مشابہ اور کدورتوں سے پاک تھے۔ چنانچہ وہ اپنی فطرت کو برابر مکمل کرتے گئے۔ پس کبھی اس کا شوق الصدور کی صورت میں ظہور ہوا اور کبھی جبریل کے کلام کی صورت میں جب کہ وہ (جبریل) آسمان اور زمین کے مابین بیٹھا ہوا ہوتا۔ اور کبھی ان کو باقی تمام لوگوں کے مقابلے میں تو لا جاتا اور ان کا پلڑا بھاری ہوتا۔ اور کبھی وہ معراج کی صورت میں ظاہر ہوئے۔

اسی طرح ابراہیم علیہ السلام فطرت کے اعتبار سے قوی النفس تھے پس جب ان کی فطرت مکمل ہو گئی۔ ان کی خلقت یعنی فطرت کا ایک حادثے کی صورت میں ظہور ہوا اور وہ تھا ان کا ستاروں، چاند اور سورج کی طرف دیکھنا اور ان کے غروب ہونے

۱  
 کے اشارہ سے بخاری کی اس حدیث کی طرف، ابن شہاب نے کہا کہ مجھے ابو سلمہ بن عبدالرحمن نے بتایا کہ جابر بن عبد اللہ انصاری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فترۃ الوحی (وحی بند ہونے کے وقفے) کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا، میں چل رہا تھا کہ میں نے آسمان سے ایک آواز سنی۔ میں نے اوپر دیکھا تو وہی فرشتہ جو میرے پاس غار حرا میں آیا تھا، آسمان زمین کے درمیان ایک گرسی پر بیٹھا ہے۔ . . . الخ



سے یہ استدلال کرنا کہ یہ سب وہ نہیں، جس نے ان (حضرت ابراہیمؑ) کو پیدا کیا ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ ایک غیرت مند کی غیرت کا اظہار کسی واقعہ ہی کے ضمن میں ہوتا ہے۔ پس خلق تو اصل ہے اور حادثہ اس کا شمع و قالب ہے۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے، نفوس کی استعداد کے اعتبار سے حق کی زبانوں کا آپس میں مختلف ہونا۔ پس کبھی تو نفس خاص زبان سے سنتا ہے اور کبھی عام زبان سے اور کبھی جب کہ دعوت ایک حالت کا ارادہ کرتا ہے اور کبھی جب کہ وہ دوسری حالت کا ارادہ کرتا ہے تو سننے والے کا نفس کبھی ایک حالت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور کبھی دوسری حالت کے رنگ میں۔ پس سننے والا ہر ایک حالت میں وہی سنتا ہے، جو اس حالت کے مناسب ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ اس ستر کے مطابق ہو جاتا ہے۔ نفس کے قوت سے فعل میں آنے کے لیے واقعہ، امر وہی، مواخذہ، معاتبہ، عتاب، نسخ، افتراء، غدیر، اور حضور ہے۔

اس کی مثال یہ ہے: معراج میں پچاس نمازوں کا واجب کرنا۔ اللہ کا ایک اور جگہ ارشاد: مَا يُبَدِّلُ الْقَوْلَ لَدَيَّ اَمِيرٌ ہاں بات نہیں تبدیلی ہوتی، یہ پانچ نمازیں ہیں اور یہ پچاس نمازیں۔ پس پچاس تجوز کی زبان ہے اور پانچ حقیقت کی۔ اور دونوں حالتوں میں مراد ایک ہی چیز ہے، لیکن اللہ نے کسی حکمت کے ماتحت جو اسے منظور تھی، ابتدا میں حقیقت کو چھپایا۔

اور اس کی ایک مثال یہ بھی ہے: یونس علیہ السلام نے اپنی پوری بہت سے اپنی قوم کی ہلاکت چاہی۔ اور خدائی لعنت ناسد بہیت کے محل تک نہ پہنچی۔ پس جب وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے اور اس سے مناجات کی، تو انہیں اس بہیت کا انقباض ہوا



جیسے کہ ہم میں سے کوئی خواب دیکھے اور ان کے لیے پھلوں اور برتنوں وغیرہ کے خواب ہونے کے قصے کی صورت میں خطاب متمثل ہوا اس کے بعد یونس علیہ السلام کو ہوش آیا اور انہوں نے جانا کہ اس سے مراد انہیں اس ہیئت کے بارے میں انتباہ کرنا ہے جیسے کہ سوتے میں ایک آدمی کے اعضا میں سے کسی عضو کو سردی لگ رہی ہو تو وہ خواب میں یوں خیال کرتا ہے کہ وہ دریا میں غرق ہو گیا۔ یا برف اور بارش اس پر پڑ رہی ہے اور جس پر قوت غضبیدہ غالب آجاتے اور اسے قوت ملکیہ کا مقابلہ کرنے کا انتباہ ہو تو وہ خواب میں یوں خیال کرتا ہے گویا کہ شیر اس پر حملہ کر رہا ہے پس یہ سب اس کے نفس کی ہیئتوں کے لیے جو اس شخص کے اندر اسخ ہیں۔ اور یہ ہیئتیں طبیعتوں کی صورتی نقل ہیں، انتباہات ہیں۔ اور یونس کو ان ہیئتوں کے ذریعہ مخاطب کیا گیا۔ تاکہ وہ ایک مثال بنے جو کہ بیان کی جائے نہ کہ وہ ایک ناموس گلے ہو۔

اور یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ جب کسی تدبیر کے سلسلے میں خرق عادت کا اظہار کرتا ہے تو یہ خرق عادت کسی نہ کسی عادت ہی کے ضمن میں ظہور پذیر ہوتا ہے۔ خواہ وہ عادت ضعیف ہی ہو۔ جیسا کہ ایک شخص معمولی طور پر بیمار ہوتا ہے۔ اور جب اسے ایک طبیعی حکیم دیکھتا ہے تو وہ اس کی زیادہ سے زیادہ پروا نہیں کرتا اور اسے خیال نہیں ہوتا کہ وہ مرجائے گا۔ لیکن اس بیماری کے ضمن میں اللہ کی قضا ظاہر ہوتی ہے اور وہ شخص مرجاتا ہے۔ پس خوارق عادت کے ضعیف اسباب ہوتے ہیں۔ اور یہ خوارق گویا اللہ تعالیٰ کی قضا کے نفاذ ہی کے لیے وجود میں آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسباب ارضی کا جو اہتمام کیا جاتا ہے تو وہ اس لیے کہ خرق عادت عام نہ ہو جائے۔ قرآن و سنت میں ایسے اشارات ہیں جو اس پر دلالت کرتے ہیں۔ اور اس سلسلہ میں جو قصہ ہے تو اس میں اشارہ اور معنی



ہے۔ جسے عارف بلکہ ہر منصف عقل مند جان لیتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔  
 جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے لیے ایک خاص زمین میں مرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ تو وہ  
 اس کے لیے اس زمین کی طرف جانے کی کوئی ضرورت پیدا کر دیتا ہے۔ پس اس بندے  
 کے لیے حاجت کا پیدا کرنا افعالِ ارادی کے نظام کی رعایت کے لیے ہے۔ تاکہ یہ نظام  
 نہ ٹوٹے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہم ہر حادثے کے بارے میں اس کی تعبیر اس کے شبح و قالب کی سچ  
 خصوصیت، اور ہر خرقِ عادت میں اس کے ضعیف اسباب کی طرف اشارہ کریں گے۔  
 پس تم ہمارے اشارات کا انتظار کرو اور ہمارے ہر قے کے ذکر کرنے کے ضمن میں ان اشارات  
 کی تاک میں رہو۔





## آدم وادریس علیہما السلام

ارواح سیارات کی توہین زمین کے ایک طرف جمع ہوئیں اور امام نوح انسان نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ وہ عالم ناسوت میں ظاہر ہو۔ اور عناصر میں اعتدال ہو۔ اور ان میں اچھی بدبو پیدا ہوئی۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان امور کے پیش نظر زمین میں اپنا خلیفہ پیدا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نوع کا کہ اس میں وسیع ارتقاقات اور اخلاق کا ملکہ

لے شاہ ولی اللہ کے نزدیک عالم سائے کا معیار شخص واحد ہے۔ وہ برابر اپنے حالات کے لحاظ سے تبدیلی ہوتا رہتا ہے۔ اور ہمیشہ کیفیت کے اعتبار سے حرکت کرتا رہتا ہے۔ شاہ صاحب کی اصطلاح میں اسے شخص اکبر کہا جاتا ہے اور اس کے تحت ائمہ انواع ہیں، جو اس کے اندر مندرج ہیں جیسا کہ ائمہ انواع میں سے ایک امام نوح انسان ہے اور یہ سب مثال صورتیں ہیں۔

لئے ناسوت سے مراد یہ مشاہدے میں آنے والا اور محسوس عالم ہے۔ اصفیاء کے نزدیک موت کے یہ چار طبقات ہیں: لاهوت، جبروت، رحوت اور ناسوت۔ اور حکماء کے نزدیک ان کے نام یہ ہیں: انیسیت اولیٰ، عقل، نفس اور ہیولیٰ۔

لئے ارتقاقات سے مراد اجتماعی ادارے ہیں۔ وہ ادارے جن کو انسان زندگی گزارنے کے لیے تشکیل کرتے ہیں۔ (باتی اگلے صفحہ پر)



ہوں اور اس میں قوتِ ملکیت اور قوتِ بہیمیت دونوں جمع ہوں۔ چنانچہ دونوں سے  
 الہی حالات جیسے کہ احسان اور محبت ہیں، پیدا ہوں۔ اور یہ خلیفہ اس کا مستحق ہو کر اس  
 پر اس کے اوپر سے شرع واجب کی جاتے۔ یہاں تک کہ وہ بذاتہ عالم ہو جائے۔ اور  
 رحمت کا ایک صحیفہ ہو جو عالم کے تمام کے تمام خالق پر اجمالاً محیط ہے۔ پھر فرشتے  
 ہیں کہ جو وقوع پذیر ہونے والا ہوتا ہے، اس کے بارے میں وہ الہام کے مستحق ہیں۔ اور  
 وہ عنصری ہیں اور کارندے ہیں جو اللہ کے الہام سے عناصر میں کام کرتے ہیں۔ پس ان  
 فرشتوں کو یہ الہام ہوا کہ اللہ خلیفہ پیدا کرنے والا ہے۔ جس میں یہ بات ہوگی۔ بیشک  
 وہ خون بہائے گا اور زمین میں فساد کرے گا۔ پس اس پر لعنت کی جائے گی۔ اور دینا  
 اور آخرت میں اس کو اس کے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ فرشتوں پر ایسے خلیفہ پیدا  
 کرنے کی حکمت مشتبه ہو گئی۔ کیونکہ وہ اتنا ہی جانتے تھے جتنا ان کو الہام کیا گیا تھا۔

(بقیہ حاشیہ) حجۃ اللہ البالغہ میں شہادۃ اللہ اتفاقات کی بحث میں لکھتے ہیں:-  
 معلوم ہونا چاہیے کہ ہر انسان کھانے پینے، جماع و مباشرت اور صوب اور بارش سے  
 حفاظت اور سروی سے بچنے کی غرض سے گرمی پیدا کرنے کے اسباب تلاش کرنے وغیرہ میں  
 اپنے اپنے جنس کا ہم نوا ہے۔ اور انسان کے حال پر اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت ہے کہ اس  
 نے ان ضروریات کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لیے اس کی صورتِ نوعیہ کے اقتضا کے مطابق  
 اس کو الہاماتِ طبیعیہ سے نوازا ہے۔ . . . . اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی  
 احتیاجات کی تکمیل اور اس کے لیے مفید تمام امور سے چھنے اور احتیاجاتِ معاشرت میں بہت  
 دہسانی پیدا کرنے کے لیے خصوصی الہامات سے نوازا ہے۔

اتفاقات کا وجود الہی سے ترتیب پاتا ہے۔



چنانچہ ان کے بارے میں اللہ کی حکمت اور اس کی عنایت اس امر کی مقتضی ہوتی کہ وہ انہیں رکھاتے جو وہ نہیں جانتے تھے۔

اولاً اللہ نے الہام اجمالی کے ذریعہ سکھایا کہ اللہ کی حکمتیں ہیں، جنہیں وہ نہیں جانتے اور ثانیاً تفصیلی واقعہ کے ذریعہ بتایا جو اس حکمت کی شرح ہے۔ پس اللہ کے اذن اور اس کے ارادے سے اس (آدم) کے لیے معتدل مادہ جمع ہو گیا۔ گویا کہ وہ مادہ اپنے طبقات کے اختلاف کے باوجود ساری کی ساری زمینیں ہیں۔ یقیناً معتدل سے اگر کوئی گرم چیز ملے تو وہ گرم ہو جاتا ہے۔ یا سرد چیز ملے تو سرد ہو جاتا ہے۔ اور معتدل اپنی قوت سے تمام طبقات کے قریب ہوتا ہے۔ غرض اس معتدل کا خمیر اٹھا اور وہ اس شے کی طرح ہو گیا۔ جس میں تعفن اور بدبو پیدا ہو گئی ہو۔ پس اس میں کپڑے پیدا ہوتے ہیں لیکن اس کا تعفن روحانیات میں سے ایک زبردست قوت کے ٹکراؤ کی وجہ سے روحانی تھا۔ گندگی کا نہ تھا۔ جیسے کہ عورت کے پیٹ میں مٹی کا تعفن ہوتا ہے کہ اللہ اس میں روح پھونکتا ہے۔ پس وہ زندہ ہو جاتی ہے۔

خلاصہ مطلب یہ ہے کہ چونکہ اس (آدم) کو وجود میں لانے سے مقصود نوع کو پیدا کرنا تھا۔ اس لیے اس کی شخصیت پوری نوع کے حکم پر اس طرح حاوی ہو گئی گویا کہ وہ خود نوع ہے۔ اور اس کے اصل جوہر میں اس برتر کا انقباض آ گیا۔ اور چونکہ وہ روحانیات کی ہمنوں کے اجتماع سے تھا۔ اس لیے اس کی روح میں روحانیات کا حکم آ گیا۔ چونکہ آدم کا اپنے رب سے نیا نیا معاملہ تھا۔ اور اس کے اندر عناصر اور اخلاط کا نظام ابھی مضبوط نہیں ہوا تھا؛ کچھ عرصے کے لیے اس ضرورت کے تحت اس کے ساتھ اہل جنت کا سلوک کیا گیا۔ پھر وہ تقریباً بہم کی گئی کہ آدم خالصاً اس کا ہو جاتے، جس کے لیے اس



کی تخلیق عمل میں آئی ہے۔ اور اس میں اس کی جبلت کے احکام ظاہر ہوں۔ بے شک اس میں فرشتوں سے مناسبت رکھنے والی روحانیت بھی رکھی گئی کہ اس کی وجہ سے وہ الہام کا مستحق ہو۔ اور اہمیت کی روحانیت بھی کہ غذا کی فراوانی سے جو گندے حالات پیدا ہوتے ہیں ان سے تعلق رکھ سکے۔ پس جب اس میں فرشتوں کی روحانیت اور اہمیت کی روحانیت جمع ہو گئی تو اس کی عقل باقی تمام حیوانوں کی عقل سے بڑھ کر ہوئی۔ اس نے عقل کو شہوت، غضب اور حاجتوں میں لگایا۔ اور اسے عجیب عجیب ارتفاقات الہام کیے گئے۔ نیز صنعتوں کے استنباط کے طریقے الہام کیے گئے۔ وہ حالت ملکیت میں داخل ہوا۔ اسے عبادت اور پاکیزگی کی مختلف انواع الہام کی گئیں۔ پس اس نے ان سب میں اپنی اولاد کے لیے عجیب عجیب طریقے وضع کیے۔ چنانچہ اسے ان تین اصولوں کے مطابق واقعات پیش آئے۔

ان میں سے ایک یہ کہ عنصری اور کارندے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ بنفسہ آدم کو سجدہ کریں اور ملائکہ اعلیٰ کے ملائکہ کو حکم ہوا کہ وہ اپنے اشباح اور قالبوں سے انہیں سجدہ کریں۔ تو وہ سب سجدہ کرنے والوں کی صورت میں مثل پذیر ہو گئے جیسے کہ جبریل ایک اعرابی کی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، اسلام اور احسان کے بارے میں سوال کرتے ہوئے متمثل ہوئے تھے۔ اور جبریل کا آپ سے سوال کرنا خود جاننے کے لیے تھا۔ اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہارے پاس جبریل تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دینے آئے تھے۔ غرض تمام کے تمام فرشتوں نے اس تفصیل کے ساتھ آدم کو سجدہ کیا۔

مختصر فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا ایک دقیق راز کا حامل ہے۔ اور وہ یہ کہ نبی آدم



کے جو فرشتے کام کرتے ہیں، تو وہ اس طرح بے شک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ  
 بنی آدم کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اور ان کے بائے میں باہم ایک دوسرے سے جھگڑتے  
 ہیں۔ پس آدم اور اس کی اولاد فرشتوں کی عبادت کا قبیلہ ہیں۔ چنانچہ یہ راز ایک واقعہ  
 کی صورت میں متشکل ہوا۔ اور فرشتوں پر سجدہ واجب کرنے کی وحی ہوئی۔ اور ان میں ابلیس  
 بھی تھا۔ اس کی دراصل جبلت ہی میں حسد، جھگڑا لوہن اور تکبر تھا۔ لیکن اس وقت تک  
 اسے کوئی ایسا واقعہ پیش نہیں آیا تھا کہ اس کی ان بڑی خصلتوں کا اس کے ذریعہ اظہار  
 ہوتا۔ اور اس کی اصل جبلت میں حقیقت شری اور خزانہ شتر کی طرف راہ تھی لیکن اس پر  
 فرشتوں کا اثر غالب آ گیا تھا۔ اور وہ ان کی صفوں میں داخل ہو گیا تھا۔

چنانچہ جب اسے آدم کو سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ پس  
 اللہ نے اس پر بڑی لعنت کی اور اس کی خطا نے اسے گھیر لیا۔ اور وہ اس طرح ہو گیا گویا  
 کہ وہ مسخ شدہ ہے۔ اور وہ سترتا سر شتر کا ہو گیا۔

اور ان میں سے ایک یہ کہ آدم علیہ السلام کا ارواح کی قوتوں اور ملائعہ اعلیٰ کے تخمیل  
 نے احاطہ کر لیا۔ اور عرش کا تخمیل ان کی طرف متوجہ ہوا۔ پس وہ جنت میں داخل ہو گئے۔  
 حالاں کہ وہ زمین میں اپنی جگہ پر تھے۔ اور ان پر جنت کے احکام کا اجرا بھی ہو گیا۔ آدم  
 میں شہوانی طبیعت تھی۔ چنانچہ انہیں اپنی جنس کی مادہ کی طرف قوی اشتیاق ہوا۔ اور  
 بڑی سرعت سے مادہ کی صورت ان کے تخمیل میں آگئی۔ پس یہ مادہ حضرت حوا ان  
 کے تخمیل سے وجود میں آئی۔

پھر اللہ نے ایسی تقریب بہم کی کہ وہ خالصاً اسی کے ہو جائیں، جس کے لیے  
 اللہ نے انہیں پیدا کیا تھا۔ پس اللہ نے شہوانی اور حرص کی طبیعت کو کہا کہ تمہیں خزانہ



نشر نے جو الہام کیا ہے، اسے حرکت میں لا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ پس یہاں اسے  
 اشتباہ، علم حق کو باطل سے گڈمڈ کرنا اور دل کی سختی جو حق کے ادراک میں جیسے کہ وہ  
 ہے، مانع ہوتی ہے، علی۔ پس حقیقت یہ ہے کہ انہیں اس عنایت کی زبان سے، جو  
 اس وقت کے لیے مختص تھی، جب کہ وہ ابھی جنت میں نہیں تھے، حکم دیا گیا تھا کہ  
 درخت (کے پھل) کا کھانا ان کے لیے ممنوع ہے۔ اور وہ انہیں جنت سے نکلے جانے  
 کا باعث ہوگا۔ اور ان کو تکلیف، بھوک اور پیاس تک پہنچاتے گا۔ اس کے علاوہ ان  
 کو ایک اور علم حق کا بھی الہام ہوا تھا کہ ان کا اس درخت (کے پھل) کو کھانا دوام اور  
 ہمیشگی یعنی ان کی نوع کے بقا، اللہ تعالیٰ کے امر اور اس کے ارادے کے ظہور  
 کا سبب ہوگا۔

پس یہ دونوں علم طبیعت پر نازل ہوئے اور آدم علیہ السلام پر معاملہ مشتبه ہو گیا۔  
 اودہ حیران و متروک ہوئے اور وہ نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان  
 کی اس حیرانی اور تردد کو نسیان (یعنی آدم بھول گئے تھے) کے کناٹے میں بیان کیا  
 ہے۔ پھر ان کے سینے میں شہوانی خواہش، ابھری۔ پس انہوں نے درخت (کے پھل)  
 کو کھالیا۔ یہ علم حق تھا جو باطل سے مخلوط ہو گیا۔ اور یہ وہ سختی تھی جو حق کے ادراک  
 میں مانع آتی۔ اور یہ تھا الہام کا صحیح طرح ظاہر ہونا۔ پس آدم علیہ السلام نے یہ گمان  
 کیا تھا کہ انہیں جو غلط یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا الہام کیا گیا ہے، تو اس کا مطلب جنت  
 میں رہنا ہے۔ اس علم کا باطل سے مخلوط ہونا شیطانی و سوسہ تھا۔ نیز یہ تقریب تھی اللہ  
 تعالیٰ کا اہل میں جو ارادہ تھا، اس کے پورا ہونے کی۔ چنانچہ آدم میں طبعی احکام کا ظہور  
 ہوا۔ عناصر اور اخلاط کا نظام ان پر غالب آیا۔ اور ان سے جنتیں وائل ہو گئیں۔ عنایت علی



ان سے پوشیدہ ہو گئی اور عنایتِ طبیعی کا ظہور ہوا۔ پھر آدم علیہ السلام سے کہا گیا جب تمہاری اولاد پر طبیعت غالب آئے گی۔ اور وہ الہامِ حق کے لیے آمادہ نہ رہیں گے تو اللہ کی بخشش اور اس کی حکمت کے تحت یہ واجب کر دیا گیا ہے کہ وہ ان کے لیے انہی میں سے رسول بھیجے۔ پس جس نے ہدایت کی پیروی کی پس نہ تو ان کے لیے خوف ہے اور نہ وہ غم کریں اور جس نے کفر کیا، پس وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ اس کے بعد آدم پر شدید عتاب ہوا۔

اس کا راز ہے روحِ ملکی اور طبیعت کا باہمی اختلاف اور ہر لحاظ سے روحِ ملکی کا طبیعت کا احاطہ کرنا۔ پھر اللہ کی طرف بڑی التجا کرنا۔ پس طبیعت کا احکام روحانیہ کی طرف ہدایت پانا۔ گویا کہ اس وقت طبیعت اور روح سب نے اسی کا حکم دیا تھا۔ اس کی مثال سالک کی ہے کہ وہ اللہ کی طرف توجہ اختیار کرتا ہے اور وہ اونچا ہوتا ہے۔ پھر وہ حق کے ساتھ خلقت میں راہِ ہدایت پر چلتا ہے اور نیچے گرتا ہے۔ اور یہ بھی ہے کہ اس پر ایک وقت میں جب روحِ طبیعت کی کدورتوں سے پاک تھی، فیضان ہوا ارتقاات کے علم کا، ان حاجات کا جو بنی نوع انسان کو پیش آتی ہیں، ان آلات کا جن سے انسان کام لیتا ہے، آوازوں کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے علم کا اور اس علم کا کہ ہر شے کے لیے کیا لفظ ہو۔ پس اس نے حقیقت کو دیکھا کہ وہ ہر شے کی طرف متفتت ہے۔ اللہ نے وہ سب اشیا جیسا کہ اس نے آدم علیہ السلام کو خیال میں بتائی تھی، عالمِ مثال میں اس کے لیے ظاہر کر دیں۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے ان اشیا ان کے ناموں اور ان سے کام لینے کی کیفیت کے بارے میں سوال کیا۔ پس وہ نہیں جانتے تھے کیونکہ ان کی حیثیت میں شہرت، غضب اور حاجات میں جاننے والی عقل سے ان چیزوں کے تہناب



کرنے کی استعداد نہیں تھی۔ چنانچہ اس طرح زمین میں آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے کی حکمت ظاہر ہوئی۔ اور فرشتے جن چیزوں سے ناواقف تھے، انہیں ان کی تعلیم دے کر نعمت کا اتمام ہوا۔

اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک دن آدم علیہ السلام کو سب طرف سے فراغت پانے کے بعد اس کا علم ہوا کہ وہ سب انسانوں کی، وہ اپنی مختلف استعدادوں کی بنا پر صالح ہوں یا غیر صالح، نشوونما کے مصدر اور منبع ہیں۔ چنانچہ ان سب کی صورتوں کا آدم علیہ السلام کی تکمیل ذات اور خود ان انسانوں کے مثالی وجود کے وقوع پذیر ہونے کی وضاحت کے لیے عالم مثال میں فیضان کیا گیا۔ اور اللہ نے ان سے سوال کیا۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، تو ان کا جواب تھا "قَالُوا بَلٰی" (ہاں) انہوں نے کہا۔ ہاں بے شک، انہوں نے یہ جواب فطرت کی زبان سے دیا تھا۔ قبل اس کے کہ طبیعت کی ملاوٹ سے ان میں لکنت ہوتی۔ چنانچہ انسانوں کا اس واقعہ کی وجہ سے مواخذہ ہو گا اور وہ اس لیے کہ یہ ان کی اصل فطرت کو ظاہر کرتا ہے۔ پس یہ واقعہ فطرت کی ایک صورت ہے جیسے کہ ایک شے جو خواب میں دیکھی جاتی ہے، وہ اس شے کی صورت ہوتی ہے۔ ملاء اعلیٰ کے مدارک میں اور پھر بنی آدم کے مدارک میں جو علوم نازل ہوئے ہیں، ان میں یہ مواخذہ فطرت کی طرف منسوب کیا گیا۔

اور ان میں سے یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو ارتفاق اولیٰ میں سے کچھ کرنے کا الہام ہوا۔ پس اس نے کاشت کرنا، فصل کاٹنا اور اس کا سمیٹنا، حیوانوں کو مسخر کرنا اور کھانوں کا پکانا شروع کر دیا۔ اس نے زبان کا استنباط کیا۔ اور کلام کے اسلوب



وغیرہ کی طرف اس کی رہنمائی ہوتی۔ اس نے نسل و نسل کا اہتمام کیا اور عبادت کے طریقے وضع کیے۔

ابتداءً امر میں اور میں علیہ السلام آدم علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے اور وہ وہی اور جبلی علوم انسانی میں انہیں کے نقش قدم پر چلتے تھے۔ اور اس وقت ان کا کمال سب سے پہلے رسالت انسانی کے احکام کی طرف ہو جانا تھا۔ پھر انہوں نے اس درجے سے حکمت انسانی کی طرف ترقی کی۔ اور وہ اس وجود کے احکام کے جو موجودات کی صورتوں اور شخصوں پر پھیلا ہوا ہے، ہو گئے۔ پھر انہوں نے نقطہ لاہوت کی طرف ترقی کی۔ پھر وہ طبعی الہیاتی، ستاروں، طب اور اتفاقات کے علوم کی طرف آئے۔ اور یہ اس لیے کہ وہ ہاتھ سے اور وہم و خیال سے کام لینے والے تھے۔ پس ان سے بہت سے علوم کا ظہور ہوا اور ان علوم میں عنایت الہی برکتے کا رآئی۔ چنانچہ وہ زمانوں کے ٹٹلنے اور رنگوں کے تغیر و تبدل کے باوجود محفوظ رہے۔ جب کبھی ایک زمانے کے لوگ ختم ہو جاتے تو ان کی جگہ دوسرے لوگ لے لیتے اور جب کبھی ایک رنگ خراب ہوتا، دوسرا رنگ آمو جو ہوتا۔ پھر ان علوم کو برکت دی گئی۔ پس مجوسی اور حنیفی ملت وجود میں آئی۔ اور طب، دعوت و ارشاد و دستاروں کے علوم مرتب ہوئے۔ اور اس وقت یہ سب علوم برحق تھے۔ اگرچہ آج ان میں حق کے ساتھ باطل اور ثابت و اصل کے ساتھ تحریف شدہ ملا ہوا ہے۔ پھر اور میں علیہ السلام نے اور ترقی کی۔ پس طبیعت کو قابو میں کر کے اور اس کے اقتناء سے نکل کر ہیبتِ ملکیہ کے خالص ہو گئے۔ اور جنت نے ان کا احاطہ کر لیا۔ اور وہ بلند مرتبہ پر پہنچ گئے۔



## نوح اور ان کے متبعین

حضرت نوح کے احوال کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ اس زود آمد قوت حیوانیہ کے مالک تھے کہ گویا وہ قوت روح کے پہرے کے لیے اس کے کمال تک پہنچنے میں ایک حجاب تھی۔ اسی طرح حضرت نوح بن کی طرف مبعوث ہوئے، ان کی اکثریت کی قوت حیوانیہ بھی زود آمد تھی۔ چنانچہ ان کے لیے جو شریعت وجود میں آئی، وہ بھی قوت حیوانیہ پر غالب آکر انسانیت کو بیدار کرنے والی تھی جیسے نماز، روزہ اور دوسری عبادتوں کی کثرت و دوام۔ اس قوم کا میلان چونکہ قوت بہیمیہ سے مناسبت رکھنے والی چیزوں کی طرف تھا، اس لیے انہوں نے حکمت منزی و اکتسابی کی باریکیاں اور نکات زیادہ مستنبط نہ کیے۔ اسی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام پر ان امور کے متعلق گہرے اور عمیق علوم نازل نہ ہوئے۔ وہ وہم اور خیال کے معاملات میں سکونِ نفس کے حامل تھے۔ اسی لیے آپ نے علوم اور یسیر کی طرف سر اٹھا کر نہ دیکھا۔

حضرت نوح کی قوم فاسق اور فاحش تھی۔ انہوں نے ارتفاعات اور بامی معاشرت و معیشت کے امور کو بگاڑ دیا۔ اور ان کا اللہ کی طرف جانے کا راستہ بند ہو گیا۔ وہ انسانیت کی حقیقت سے خارج ہو گئے۔ اگرچہ ان کی صورتیں انسانوں کی سی تھیں۔ اس پر ان کے عقلا



ملاء اعلیٰ میں غضب انعقاد پذیر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف نظر عتاب فرمائی۔ اور ان کو ملعون قرار دیا۔ وہ ان سے سخت ناراض ہوا اور ان کی ہلاکت کا فیصلہ کیا لیکن ہلاکت سے پہلے ان کو ڈرانا اور حق کی راہ دکھانا اللہ کی حکمت میں ضروری تھا اس لیے کہ حق کی مختلف زبانیں اور بہت سی عنایات ہیں۔ اگر وہ ایک قوم سے ایک زبان میں ناراض ہوتا ہے تو دوسری زبان میں ان پر اپنی عنایت کبھی نہیں چھوڑتا۔

جب کہ مخلوق کے جملہ انواع کا ختم کرنا ایک شہر عظیم کی حیثیت رکھتا تھا اور اللہ کو بالکل پسند نہ تھا۔ اسی طرح فنا کے پھر از سر نو ایجاد کرنا بھی ٹھیک نہ تھا۔ اور ابھی اعتدال کے متقاضی سماوی اور ارضی اسباب بھی جمع نہ ہونے تھے اور دنیا کو بالکل فنا اور ناپید کرنا عنایت الہی کے بھی خلاف تھا۔ اس لیے اللہ کے ارادے اور عنایت نے ضروری سمجھا کہ مخلوق کے اصل انواع کے بقا کے لیے ایک تقریب کا انتظام ہو۔ چنانچہ اس نے حضرت نوح کو کشتی بنانے کی صنعت کا الہام فرمایا اور یہ بھی الہام کیا کہ اس کشتی میں ہر نوع کا ایک ایک جوڑا، نر اور مادہ نیز وہ درخت کہ از خود نہیں اگتا تھا اس کا بیج جمع کیا جائے، پھر اللہ نے اپنا کام پورا کیا، اور تہ پیر الہی جو کہ جو یا فضا کے واقعات میں سے ایک ایسے واقعے کی منتظر تھی جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب سے۔ آخر سماوی اور ارضی اسباب پانی کا ایک عام طوفان لانے پر جمع ہو گئے تو اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنا فیصلہ جاری فرمایا۔ اور کوئی بھی عظیم واقعہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب بہت سی عنایات اس کا تقاضا کرتی ہیں۔ جیسے طبائع ارضی کی عنایت، احکام فلکی کی عنایت، صورت الہیہ کی عنایت اور لوگوں پر مقرر کی ہوئی شائع کی عنایت۔ جس کو علم سے ایک مختصر حصہ حاصل ہوتا ہے تو وہ ان عنایات میں سے صرف ایک عنایت کو دیکھتا



ہے اور باقی عنایات کو بھول جاتا ہے پھر اگر کوئی اس واقعے کو دوسری عنایت کی طرف نسبت کرتا ہے تو وہ کم علم آدمی اس کو سمجھنا کہتا ہے (لیکن) علم کامل اور پوری معرفت ان سب عنایات کو جمع کر لیتی ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام کے جمیع علوم اور احوال ان مذکورہ عنایات سے بنتے، چنانچہ اللہ نے ان کو آدم ثانی بنایا۔ اور وہ ان سب رسل میں سے پہلے رسول ہیں۔ جن کو عنایت الہی کا خادم بنا کر بھیجا گیا ہے۔ اور یہ کام ان کے ذمے لگائے گئے۔ لوگوں کو (اللہ کے عذاب سے) ڈرانا، شریعتوں پر عمل کرنے کا امر کرنا، کافروں سے جھگڑنا اور اس چیز کے لیے تدبیر کرنا، جس کا اقتضا عنایت کرے۔

ان سب امور میں انبیاء علیہم السلام کا طریقہ حضرت نوح پر حتم ہوتا ہے۔ اور حضرت نوح کی امت پہلی امت ہے جو لوگوں کی ہدایت کے لیے مبعوث کی گئی تھی۔ جب حضرت نوح کے قلب میں بنی آدم کے بقا کی تدبیرا لہام ہوئی تو اس میں علوم ارتعانات بھی آگئے، جن کی انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی۔ اور کچھ فتنوں کا علم بھی تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنی قوم کو دجال سے ڈرایا اور اسی طرح توحید، عبادات اور طبیعت پریمیہ کو ملکیت کے تحت مغلوب کرنے کے کچھ علوم بھی انہیں عنایت ہوئے۔

—♦—



## حضرت ہود اور حضرت صالحؑ

ان دونوں نبیوں کے فحاشی احوال، دونوں کی قوم کا کفر اور فسق میں رہنے کا حال، ان پر ملامتِ اعلیٰ کا غضب ناک ہونا، ان کی ہلاکت کا فیصلہ کرنا اور انسانِ الہی کے ساتھ حق تعالیٰ کی یہ عنایت کہ وہ ان کو مذاب سے ڈرائے اور ان میں سے ایمان والوں کی نجات اور خلاصی کے لیے کوئی حیلہ کرے۔ (ان تمام باتوں میں) حضرت نوح علیہ السلام کے قصے سے ملتا جلتا ہے۔

یہ دونوں انبیاءِ خدا کی طرف سے اڈانے والے تھے اور دونوں کے دل میں مومنین کی نجات کا حیلہ الہام کیا گیا تھا اور دونوں کو عبادت کے ایسے طریقے دیئے گئے تھے جو طبیعت کے اجوش کو فرو کرنے والے تھے۔

قوم عاد کا مسکن ریت کے ٹیلے اور صحرائے اقصیٰ ان کے ملک کی آب و ہوا خشکی اور گرمی کی طرف مائل تھی، ان کے حق میں مذاب کی جہدِ قسویٰ میں سے ہوائی طوفان بہت قریب تھا۔ چنانچہ ایک زمانے تک ان پر برسات بند ہو گئی اور ان کے چار پائے ہوئے ہو گئے۔ تب انہوں نے اللہ کے حضور میں عاجزی کی اداس سے ان کی توبت طلب کی کہ تیرے ہوا سے اپنے بڑے اعمال کی وجہ سے پڑے گئے اگر وہ بہانہ کراہ



بے سمجھ) ہو جاتے تو ان پر (اتنا) جلدی عذاب نہ آتا۔ کیوں کہ (ان کے لیے) عنایتِ ملکیہ کا ظہور ہوا تھا۔ اور انہوں نے اس ملکی عنایت کے احکام کو توڑ ڈالا۔ اس لیے وہ (ملاءِ اعلیٰ کی نظر میں) ملعون بن گئے۔ اب صرف عذاب کی دیر تھی۔ جب انہوں نے ابر کو یعنی مادہ مجتمع کو اور پروکھا تو اس کو برسے والا بادل خیال کیا۔ حالانکہ وہ اللہ کا عذاب تھا۔ جس کے لیے وہ جلدی کرتے تھے۔ پھر اس نے ایک تند و تیز ہوائی طوفان کی شکل اختیار کی۔

چونکہ قوم ثمود کے رہنے کی جگہ پہاڑ اور ان کے غار تھے۔ اسی لیے ان کے حق میں عذاب کی بہت قریب صورت زلزلے اور سخت آواز تھی۔ پھر حضرت صالح علیہ السلام نے ان کے ہلاک ہونے کی دعا کی۔ حالانکہ ان لوگوں کی ہلاکت کا وقت نہیں آیا تھا۔ تب حضرت صالح کے نفس نے ہلاکت کی ہیبت حاصل کی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نظر بھی ان کی حاصل کی ہوئی ہیبت کے ساتھ مل گئی۔ اور ان پر موت اور نیند کے درمیان کی حالت طاری ہوئی۔ جس طرح اصحابِ کہف پر طاری ہوئی تھی۔ پھر ان کو اٹھایا گیا۔

جاننا چاہیے کہ عالم ملکوت میں جو بھی شرمناک ہے، وہ کسی نہ کسی حیوان کی صورت کے ساتھ متشکل ہوتا ہے۔ کیونکہ شرم کو حیوانات کے ساتھ جلتی مناسبت ہوتی ہے۔ سب سے آخری شرم انسان کی صورت اختیار کرے گا جسے وہ جالی کہا جاتا ہے، اور (اس کے بعد دنیا کی) عام ہلاکت اور بربادی قریب آجائے گی۔

آخر اس قوم کا شرم حضرت صالح علیہ السلام کی بددعا سے ایک اونٹنی کی شکل میں

لہ وہ اونٹنی جو کہ حضرت صالح کے معجزے سے قوم ثمود کے لیے ظاہر ہوئی تھی۔ اس کا اگلے صفحہ پر



نمودار ہوا۔ جب انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کیا تو شر چلا گیا اور طوفان آ گیا۔ اس طرح جب  
دجال کو قتل کیا جائے گا تو شر چلا جائے گا۔ اور قیامت کبریٰ قائم ہو جائے گی طوفان

(بقیہ حاشیہ) مادہ اس قوم کی برائیاں تھیں۔ ان برائیوں نے قوم ثمود کے مطالبے پر اونٹنی کی شکل  
اختیار کی تھی۔ جب قوم ثمود نے اس کو قتل کیا تو اونٹنی کے جسم کی وجہ سے اس میں جو قید اور تشخص  
پایا جاتا تھا وہ ختم ہو گیا اور اب اس کو عموم مل گیا۔ اور فساد عام ہو گیا۔ یہ حاشیہ شاہ ولی اللہ  
صاحب کے خاص تلمیذ مولانا محمد عاشق کے حاشیہ الخیر الکثیر سے لیا گیا ہے۔ (فاسمی)

لے جانا چاہیے کہ دجال کے وجود کا مادہ اور اس کے جسم کے اصلی عناصر قوم نوح، اہم، صالح،  
لوط، شعیب اور دوسرے انبیاء کے اقوام کی برائیاں ہیں جو کہ عام صحیفے میں محفوظ ہیں۔ ان میں سے  
ہر ایک کے مخصوص صحیفے میں جو عذاب مقدر تھا، وہ اگرچہ قوموں کی عذاب کی صورت میں اس دنیا  
کے اندر نمودار ہوا، لیکن وہ برائی جو عذاب خود شدید ہے، وہ اپنے ظہور کے بعد دنیا میں بھی باقی  
ہے گی۔ اس لیے نہ آخرت میں بھی عذاب کا باعث بنے گی۔ خاص طور پر اس حالت میں کہ مخصوص  
صحیفے میں راسخ ہونے کے بعد صحیفہ عالم میں بھی اگر وہ (برائی) راسخ ہو گئی ہو۔

بعد ازاں بنی اسرائیل کی برائیاں بہت ہو گئیں اور ان سے لاحق ہوئیں۔ لیکن ان برائیوں  
کا (عذاب کی شکل میں) کوئی اثر ظاہر نہ ہوا۔ کیوں کہ بنی اسرائیل کے اندر ایسے انبیاء موجود تھے۔ جو کہ  
اللہ کے مطلق اسم کے منظر تھے۔ اور ان کی دیکھ بھال کرنے والے لوگ موجود تھے۔ اس لیے ان کی  
برکت کی وجہ سے برائیاں عذاب کی صورت میں نمودار نہ ہوئیں۔ اور ان میں جو برائیاں جمع ہوتی رہتی  
تھیں وہ پرے طرف یا ایک وحدت بن گئیں۔ تب ان شرور اور برائیوں پر خدا کی طرف سے  
انسانی ہیئت اور صورت کا فیضان ہوا۔ کیوں کہ جو بھی چیز کثرت سے وحدت اختیار کرتی ہے  
تو اپنی یگانگت اور وحدت کی وجہ سے مفیض و جواد کی طرف اس کو راستہ مل جاتا ہے۔ (گلے صفحہ ۶۰)



سے ایک قوم کی بربادی ہوتی۔ اور قیامت سے عام تباہی ہوگی۔

(بقیہ حاشیہ) عادت اللہ یہ رہی ہے کہ ہر مادہ جب کسی محدود وزن تک پہنچتا ہے تو وہ اپنے لیے (جو از مطلق سے) ہیئت اور شکل کی طلب اور تقاضا کرتا ہے۔ شرور پر شکل اور ہیئت کے اناضے اور عطا کی مثال ایسی ہے جیسے کیڑوں کی صورت کا اناضہ نجائس اور گندگیوں پر ہوتا ہے جب وہ گندک کے سب سے آخری درجے پر پہنچ جاتی ہیں۔

انسانی برائیت کا انسانی شکل میں تمثیل ہونے کا راز یہ ہے کہ اس صورت کو اس دنیا میں اس شے کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے جو کلیت اور اطلاق کا رتبہ رکھتی ہو۔ اسی کی طرف پیغمبر علیہ السلام کے اس قول میں اشارہ پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔ اور اس صورت میں بھی ایک قسم کا عموم ہے۔ اسی لیے انسان کو قوی متین سے غفلت اور انصلاح بھی لاحق ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس کا بیان (خیر کثیر کے) زہی خزانے میں آنے لگا۔ اور وہ شرح جب ایک قوی انسان کی شکل اختیار کرے گا۔ تو اس کے بعد بھی برائیاں اس کو لاحق ہو جائیں گی؛ جس طرح جزئی، کلی کو لاحق ہوتی ہے۔ یا قذا منعتی کو۔ پھر جب وہ شخص مرے گا۔ اور جسمانی تشخص سے آنا ہو کر روح بنے گا تو سارے عالم کی تباہی ہوگی۔ اور یہی قیامت ہے۔

امرونا محمد عاشق قدس اللہ سرہ (تلمیذ شاہ ولی اللہ) کی خیر کثیر پر تقریر سے یہ حاشیہ منقول ہے۔





## ابراہیم و آلہ

حضرت ابراہیمؑ کے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ کا فطرت کی طرف شدید میلان تھا۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ انسانی اخلاق کے ظہور کے معاملے میں انسانی افراد مختلف ہوتے ہیں:

- ۱۔ ان میں سے کچھ تو وہ ہوتے ہیں، جن میں شجاعت اور بہادری بالکل مفقود ہوتی ہے۔
- ۲۔ بعض افراد ایسے ہوتے ہیں، جن میں ضعیف سی شجاعت ہوتی ہے جو بہت بڑی ریاضت سے نہایت تھوڑی اور نہ ہونے کے برابر ظاہر ہوتی ہے۔
- ۳۔ کچھ لوگ اوسط درجے کی شجاعت رکھتے ہیں، وہ تب ظاہر ہوتی ہے جب بہادری کی طرف اس کو بلایا جائے، اور یہ شجاعت اس وقت قوت پکڑتی ہے جب افعال میں مارست اور ریاضت کے مناسب اقوال سے ترغیب دی جائے اور اس کے ساتھ بہادری کے مواقع سے اس کا واسطہ پڑے۔
- ۴۔ کچھ لوگ بڑے بہادر ہوتے ہیں، مگر ان کو بہادری کے کام سے جیسا کہ خطوں میں آگے بڑھنا، روکا جائے یا غیر مواقع پر ان کو غیرت سے روکا جائے تو بڑی کوشش کے بعد ہی رکتے ہیں۔ اور یہ روکنا ان پر نہایت گراں گزرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ بہادری کے خیالات



سے خالی نہیں ہوتے اور وہ جس وقت بہادری کا موقع پاتے ہیں یا اس کی طرف ان کو بلایا جاتا ہے (تو پہنچنے میں دیر نہیں کرتے) جیسے کہ گندھک کو آگ لگ جائے اور اس کے جلنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔

۵۔ کچھ لوگ ایسے اعلیٰ درجے کے بہادر ہوتے ہیں، جن کو بہادری کے مواقع سے روکنا ناممکن ہے بلکہ وہ ایسے مواقع کی طرف ٹوٹ پڑتے ہیں۔ اگر اس کے خلاف ان کو کوئی بلائے بھی تو اس کی بات نہیں ہنستے۔ بڑی بات کا ان کے دل میں گڑبہ ہی نہیں ہوتا۔ اس آخری قسم کے بہادر انسان کو امام شجاعت (بہادری کا پیشوا) کہا جاتا ہے۔ یہ کسی دوسرے امام کی طرف محتاج نہیں ہوتا، بلکہ جو لوگ اس سے کم درجے کے ہیں، ان پر واجب ہے کہ اس کے طریقے کو مضبوطی سے تقام لیں۔ اس کے رسوم کو مضبوط پکڑ لیں اور اس کے واقعات کو یاد رکھیں۔ تاکہ یہ ان کے لیے بہادری میں ایک دستور کا کام دے۔ اگر وہ اس کی پیروی نہ کریں گے تو بہادری کی راہ سے بھٹک جائیں گے اور ان کی حسب استعداد بہادری کا جذبہ بھی ان میں کم ہوتا جائے گا۔

اس طریقے کو جو لوگ اختیار کرنے والے ہیں ان کے بہت سے گروہ ہیں:۔ ان میں سے ایک سابق ہے اور یہ وہ ہے کہ اس کے پیشوا کا قول اس کے دل میں اس طرح بیٹھ جاتا ہے کہ اس کے راوی سے وہ اس کو زیادہ یاد رکھنے والا ہے۔ ایک قسم مقلد یعنی درمیانہ چلنے والے ہیں اور ان میں سے ایک وہ ہے جو اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جس طرح انسان افراد شجاعت اور بہادری میں مختلف ہوتے ہیں، اسی



طرح وہ فطرت میں (بھی) مختلف ہیں۔

(۱) ایک وہ جو فطرت کا امام ہوتا ہے۔ وہ عبادت جیسے کاموں کی طرف اس طرح ٹوٹ پڑتا ہے کہ اس کو اپنے فطری تقاضوں کو پورا کرنے سے کوئی رسم و رواج یا دوسری کوئی روکنے والی چیز نہیں روک سکتی۔ کسی کی تقلید یا کسی سے روایت کیے بغیر عبادت کو بجالانا اور اس کے احوال کو قبول کرنا اس کے لیے آسان ہو جاتا ہے۔ اس کی (دواضح) مثال حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ اس وصف میں آپ اتم اور اکمل تھے۔ آپ سے پہلے یا بعد میں کوئی بھی آپ کی طرح اس خلق کی طرف نہیں گیا۔ اس خلق کے موافق آپ پر علوم الہیہ کا ترشح ہوتا تھا۔ آپ کا قلب اس خلق کا مطیع تھا۔ اس لیے ملائکہ اعلیٰ میں داخل ہو کر ان سے پر تو نور حاصل کر کے آپ کے لیے رحمت کی طرف توجہ کرنا آسان تھا، اسی لیے آپ کو امام بنایا گیا۔ اور بعد کے آنے والے (جملہ انبیاء علیہم السلام کو آپ کی ملت کی پیروی کرنے کا حکم ہوا۔

(۲) کچھ لوگ قوی فطرت ہوتے ہیں۔ اجمالی طور پر فطرت کی طرف اس طرح مائل ہوتے ہیں کہ اگر ان کو فطرت کی طرف رہنمائی کرنے والا امام نہ ملے۔ تب بھی فطرت کی مخالفت کے لیے تیار نہیں ہوتے، لیکن ان کے دل میں ایک گونہ اضطراب ہوتا ہے۔ اور اگر اس کو فطرت کا پیشوا مل جاتے تو اس امام کی بات اس کے دل میں بیٹھ جاتے گی اور وہ اپنے امام کے قول کا مطلب سمجھ لے گا۔ وہ مجبور ہو گا کہ اپنے پیشوا کے قوانین کو ضبط کرے۔ اس کے اجمال کی شرح کے لیے اس کے مذہب کی اشاعت کرے، جس طرح حضرت ابراہیم سے بعد کے آنے



والے انبیاء علیہم السلام نے حضرت ابراہیمؑ کی ملت کی پیروی کی اور اس کی شریعت کی اور لوگوں کو اس کی طرف بلایا۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے کہ اگر وہ فطرت کے امام کو نہ پائیں، تو راہ راست پر نہ آئیں۔ اور جب ایسے پیشوا کو پائیں تو اس سے خراب نفع اٹھائیں، جیسے پہلے آتھیں تھیں۔

(۴) کچھ لوگ وہ ہوتے ہیں کہ فطرت کی طرف لگاتار دعوت اور بلائے کے بغیر اس کی طرف خود نہیں جاتے۔ ایسے لوگ (دعوت و تبلیغ سے) تھوڑا سا نفع پالیتے ہیں۔ (۵) بعض لوگ (فطرت کے) شدید منکر اور مخالف ہوتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے دل اور کانوں پر اللہ مہر لگا دیتا اور ان کے آگے اور پیچھے دیوار کھینچ دیتا ہے۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی قوت (اور جوانی) کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی، امدان پر ان کی جبلت منکشف ہوئی۔ پس جب انہوں نے ستارہ چاند اور سورج کو غروب ہوتے ہوئے دیکھا۔ تو اس سے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ جس پر بعد گمانے ان کو پیدا کیا ہے، وہی ان کی تربیت کرتا ہے۔ اور (حق کی) راہ دکھاتا ہے۔ وہ جسمانی احکام سے متبرا اور انسانی (معارض) سے بلند ہے اس تفسیر کے بعد، آپؑ پر ایک عظیم حالت طاری ہوئی اور آپؑ پر حق منکشف ہوا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام غیر اللہ کی عبادت کے معاملے میں بڑے غیرت والے تھے۔ چنانچہ انہوں نے بتوں کو توڑ ڈالا۔ (اس پر) آپؑ کو آگ میں ڈالا گیا، لیکن آپؑ اللہ تعالیٰ کے، پسندیدہ بندے تھے۔ اور اللہ خلق میں آپؑ کی بقا چاہتا تھا۔ پس اللہ نے

لکھ سورتہ انعام کی آیت نمبر ۷۵ سے ۸۱ تک میں اسی مضمون کی طرف اشارہ ہے۔



آگ کے ماتھے پر ایک دم ہوا کے ذریعے ایک ٹھنڈی ہنیت ڈال دی۔ اور برسوں ہوا  
 ٹھنڈے بلقے زہریرہ سے آتی کہ جس نے شدید پرودت کو اٹھا رکھا تھا۔ اس نے  
 آگ کو بدل دیا۔ اور ان دونوں کے تصادم سے ایک اچھی ہوا پیدا ہو گئی۔  
 بعد ازاں آپؐ فاجر اور اللہ کے دین میں جھگڑنے والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے سے  
 سخت تنگ آ گئے۔ تو آپؐ نے اپنے پروردگار کی طرف ہجرت کی۔ یعنی ایسی زمین کی طرف  
 ہجرت کر گئے جہاں ان کے لیے اپنے پروردگار کی عبادت ممکن ہو سکے۔ راستے میں ایک  
 جبار اور سرکش آپ کے آٹھے آیا۔ اور وہ آپ پر آپ کی بیوی کے معاملے میں ظلم کرنا  
 چاہتا تھا۔ آپ نے بڑی ہمت اور سعی سے اللہ کے حضور میں دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے  
 ملائکہ کو وحی کی کہ بدن میں ہوا کے پھیلنے کی جگہ سے اس جبار اور ظالم کے بدن میں داخل  
 ہو جائیں (اور اس کو سدک دیں۔ آخر ایسا ہی ہوا) اور اس (جبار) کے ہاتھ اٹھ گئے۔  
 جب اس جبار حاکم نے یہ دیکھا تو حضرت ابراہیمؑ کی بیوی کو چھوڑ دیا۔ اور حضرت  
 ہاجرہ کو اس کی خادمہ بنا دیا۔

پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی بیوی دونوں عمر رسیدہ ہو گئے تھے۔ اولاد  
 دونوں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اللہ نے ان پر رحمت کی اور دو فرزند عنایت کئے۔ حضرت  
 ابراہیمؑ علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ خاص عنایت تھی۔ کیوں کہ وہ خدا کے محبوب  
 بندے تھے۔ چنانچہ دونوں کو جذب الہی نے گھیر لیا۔ اور لوگ فطرت کے پیسوں کے  
 خلفاء کے محتاج تھے۔ تمام لوگوں میں سے امامت کی طرف زیادہ قریب وہ ہوتا ہے  
 جس کی جبلت (اور فطرت) کو جذب الہی کے راز نے گھیر لیا ہو۔ یہ وصف حضرت ابراہیمؑ  
 میں بطور اتم موجود تھا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کی اولاد کو نبوت اور کتاب



دی۔ اور توحید کی طرف دعوت دینے کو ایک دائمی مشغلہ کی حیثیت عطا فرماتی۔

آپ کے دو فرزندوں میں سے ایک کے حق میں حق تعالیٰ کی یہ منشا اور مراد تھی کہ اس کو اپنے حرم کا خادم بنائے۔ اور اس کے وسیلے سے (اپنی تجلی کے ذریعے) خلق سے قریب ہو۔ اور ایک ایسا شعار ظاہر فرمائے۔ جس کے توسط سے لوگ اللہ کا تقرب حاصل کریں۔ اور اس کو ایسی اولاد عطا فرمائے جس میں امت مسلمہ بننے کی صلاحیت ہو۔ اب اس کو وجود میں لانے کے لیے قریب ترین ذریعہ یہ تھا کہ بی بی ساء حضرت ابراہیم کو ہاجرہ مہربہ کر دیں۔ اور ان سے اسمعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔

حضرت اسمعیل علیہ السلام کے حرم تک پہنچنے کا قریب ترین ذریعہ یہ بنا کہ بی بی ساء کو ہاجرہ پر شک آیا۔ اور انہوں نے ہاجرہ اور ان کے بیٹے کو اپنے گھر سے نکال دیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں کو ایک ویران جگہ میں بسایا جہاں نہ کوئی پانی تھا نہ گھاس، پھر اللہ تعالیٰ نے وہاں پانی کا چشمہ نکالا اور لوگوں کے دلوں میں وہاں سکونت اختیار کرنے کا ابہام کیا۔ اس طرح حرم کا انتظام وجود میں آیا۔ پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ابہام فرمایا کہ بیت اللہ بنائیں۔ اور وہاں رہائش اختیار کرنے کا بھی ان کو ابہام کیا گیا۔ جس کی یہ صورت تھی کہ حضرت ابراہیم کے دل میں ایک سمجھ اور فراست پیدا کی۔ پھر اس میں برکت دی اور ان کو حج کے احکام اور اس گھر میں عبادت کی کیفیت کی تعلیم دی۔ ان کے دیانت کے خالق میں اضاقتہ فرمایا۔ اور یہ ان کے حصے ملی ایک وحی موجب بن گئی۔ جس کو انہوں نے اپنے سینے کے آئینے میں مشاہدہ کیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اسمعیل علیہ السلام کے کام کا انتظام فرمایا۔ ان کو اپنے گھر کا خادم بنایا۔ لوگوں میں حج کا شوق پیدا کیا اور حضرت اسمعیل کو نیک کام کرنے کی وصیت



کی اور ان کو اپنی قوم کے لیے نیکی کا حکم کرنے والا بنایا۔

اور دوسرے فرزند کا قصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کے توسط سے ابراہیم علیہ السلام کو اس کے پیدا ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اس سبب سے بی بی سارہ کی جوانی نے جوش مارا اور پھر ان کے جنین کے ایام ٹوٹ آئے اور اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے۔ جان لیجئے کہ حبیب ابراہیم علیہ السلام اپنی فطرت اور جبلت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف خاص طور پر متوجہ ہوئے تو ان کا مقرب ملائکہ میں شمار ہونے لگا۔ اور ملائکہ علی کے توسط سے ان کو انسان الہی کے روشن دان سے ارادے اور اختیار کی زبان سے آواز دی گئی۔ اسی لیے انہوں نے نجومیت، مجوسیت اور شرک کے باطل ہونے کا واضح اعلان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اس طرح تعلیم دینے سے ایک تقریب کا ارادہ فرمایا تھا۔ جو یہ تھی کہ (قدیم، ملتیں باہم مختلف ہو گئی تھیں۔ مجوسیت میں تحقیق ختم ہو گئی تھی۔ اور نجوم کی وجہ سے شرک بڑھ گیا تھا۔ اب اس باطل کے سر کو توڑنے والا حق صرف یہ رہ گیا تھا کہ فطرت پر چلنے کا حکم دیا جائے اور ارادہ (الہی) کی زبان کا اتباع کیا جائے۔ اس دور کے شروع میں (دنیا کے) حوادث (اور واقعات) آسمانوں کی قوتوں اور عناصر سے براہ راست صادر ہوتے تھے، اسی لیے ادریس علیہ السلام نے اس دور سے مناسبت رکھنے والے علوم پر گفت گو کی۔ (دور اول کی خرابیوں کو دیکھ کر) حظیرۃ القدس کے مقدس ملائکہ اعلیٰ میں ایک گونہ جوش پیدا ہوا (کیوں کہ) ان میں سے ہر ایک خدا

سک انسان الہی نام ہے انسانی افراد کی اجتماعی شکل کا۔ حضرت شاہ صاحب کے فلسفے میں اس کا دوسرا نام 'امام نوع' انسان بھی ہے۔ فلسفہ یونان میں اس کو نوع انسانی کا رتب کہا جاتا ہے۔



تعالیٰ کے لیے) ایک ظلم اور تجلی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں کچھ آسمانی قوتیں بھی لیت  
 کے طور پر رکھی گئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جب کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو ملاءِ اعلیٰ میں  
 (حسبِ مراد) بسط اور قبض فرماتا ہے۔ اور اسی طرح اپنی مراد کو پورا کرتا ہے۔ اب آسمانوں  
 کے لیے کوئی واضح حکم باقی نہ رہا تھا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نجوم کو مٹانے والے توحید  
 کی بات کرنے والے اور لوگوں کو اس تجلی کی طرف دعوت دینے والے ہوئے جو کہ حقیقہً اللہ  
 میں قائم تھی۔

جاننا چاہیے کہ وہ علوم سچے ملاءِ اعلیٰ میں ہیں، سب سے قریب ترین صورت ہیں  
 ان انسانی نفوس (کے دل) پر لٹکتے ہیں۔ جن کی ملائکہ کے ساتھ (قوی) مناسبت ہوتی ہے۔  
 اور یہ کہ لوگوں کی ہدایت کا ارادہ (حق) کے مخالف لوگوں سے نفرت اور ان پر لعنت کرنا  
 اور انسانوں کے لیے شرائع کو مقرر کرنا ان سب کا ملاءِ اعلیٰ میں فیصلہ ہوتا ہے۔ اسی لیے  
 (مٹنا) الہی کو بڑے کار لانے کے لیے، ملاءِ اعلیٰ کے توسط سے انبیاء علیہم السلام پر ہی  
 علوم اترتے ہیں۔ اور یہ علوم ان کی زبان میں ہوتے ہیں اور ان کی قبول اور سمجھ کے سبب  
 ہوتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ (لوگوں کی تعلیم کے لیے) اللہ تعالیٰ کی مختلف زبانیں ہیں۔ (اسی بنا پر)  
 جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو ذبیحہ کے طور پر قربانی کے ذریعے اللہ کے تقرب کی  
 تعلیم کا ارادہ فرمایا تو ان کے ساتھ دو زبانوں میں کلام فرمایا۔ تاکہ اللہ کے ساتھ ان کے  
 اخلاص اور فرماں برداری کو واضح کرنے کے لیے ایک بڑا واقعہ وجود میں آئے اور بیٹے کے  
 ذبح کرنے والی قربانی اس زبان کے لحاظ سے ایک نعمت مشکورہ بن جائے۔

اس کا راستہ یہ تھا کہ حیوانات کی روحیں انسان کی طرح پورے عالم کو متضمن ہیں مگر



فرق یہ ہے کہ حیوان میں انسان کی بہ نسبت زیادہ اجمال پایا جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ پر یہ راز کھل گیا اور ان کو اپنے خواب میں یہ دکھائی دیا کہ وہ اپنے اس بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں جو کہ انسانیت میں نہایت ہی کمال کے مالک ہیں۔ اس کی مثال ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر پچاس نمازیں فرض ہونے کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض ٹھہرائیں۔ اور خدا نے آپ کو بتایا کہ اللہ کا قول بدلتا نہیں۔ یہ حقیقت میں تو پانچ ہیں لیکن یہ خواب کے لحاظ سے، پچاس ہیں۔ کیوں کہ ہر نیکی کا ثواب اس کا دس گنا ہوتا ہے۔ اب ان کو پچاس کہنا مجاز کے طرز تکلم پر اللہ کا کلام ہو گا۔ تاکہ نعمت کو کامل فرمائے اور فرمانبرداری کو دیکھے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا مکالمہ بھی اسی طرح دو زبانوں میں ہوا۔ ایک تو مجاز کی زبان تھی کہ ”تم اپنے بیٹے کو ذبح کرو۔ یعنی ایسے قوی مینڈھے کو ذبح کرو کہ جیسے بیٹا باپ کو پیارا لگتا ہے۔ وہ جانور بھی اپنے مالک کی سب سے پسندیدہ شے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے جب اس حکم اور زبان کی پیروی کی تو ان کو ایک عظیم واقعہ پیش آیا۔ جس سے آپ کی عبادت اور انقیاد کی پوری ترجمانی ہوتی تھی اور آپ کے صحیفے میں یہ لکھا گیا کہ انہوں نے اللہ کے لیے اپنے بیٹے کو ذبح کیا۔ پھر اللہ نے اس کا فدیہ دونوں کے لیے اتمام نعمت اور تکمیل رحمت کے طور پر ذبح عظیم سے تعبیر فرمایا۔

دوسری زبان حقیقت کی تھی جس میں، اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب فرمایا کہ ”تو نے خواب کو سچا کر کے دکھایا۔“ یعنی تم نے خواب کی تعبیر اور اس کی مراد کو پورا کیا اور اس سے اللہ کا مقصد نبی کے ذبح کرنے کے سوا اور کچھ نہ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انسان الہی (امام نورع انسانی) سے ارتقاات



اباہمی معشت کے اصول اور یہی وگناہ کے علوم حاصل کیے۔ اسی لیے آپ نے مہمان نوازی، مسافر کے حق کی ادائیگی، فطری تھصلتوں اور حیوان کے ذبح سے تقرب حاصل کرنے کی بنیاد رکھی، ارکان اسلام کو منتشر فرمایا اور شرک سے ہر طرح دور رہے۔

لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گروہ میں سے تھے۔ انہوں نے ان سے ادب سیکھا تھا اور ان سے سنا تھا۔ یہ تعلیم آپ کے دل میں بڑی اچھی طرح بٹھ گئی تھی اور یہ ان کی نیکیوں میں سے ایک نیکی تھی۔ وہاں ایک قوم بستی تھی جن پر بے حیائی اور نفس پرستی نے غلبہ پایا تھا۔ اور انہوں نے ملک میں فساد ڈال رکھا تھا۔ اور وہ جسمانی لذتوں کے حاصل کرنے میں بہائم سے جا ملے تھے۔ (اس لیے) اللہ نے ان پر غضب کیا۔

اللہ کی حکمت تھی کہ ان کو ان کے بد اعمال کی سزا ملنے سے پہلے ڈراتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائی کہ وہ ان کو ڈرائیں۔ اگرچہ یہ ڈرانا اپنے گروہ میں سے کسی ایک شخص کے ذریعہ کیوں نہ ہو۔ پھر انہوں نے لوط علیہ السلام کو (ان کی طرف) بھیجا۔ جنہوں نے جا کر ان کو وعظ و نصیحت کی اور سمجھایا لیکن اس تبلیغ سے ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر حکمت الہی ایسے سماوی اورارضی اسباب کے انتظار میں رہی جن سے ایک ایسے فحشی واقعے کی تیاری ہو سکے جس سے ان کو عذاب دیا جائے۔

پھر جب اللہ کا حکم آیا تو ملائکہ انسانی صورت کا لباس اور ڈھکے ابراہیم علیہ السلام کے پاس مہمان بن کر آئے۔ کیوں کہ ڈرانے والے اصل میں ابراہیم علیہ السلام ہی تھے اور ان کے ہی ہاتھ میں ان کی پدیشانیاں مہانوں کی صورت میں رکھی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم نے مہانوں کے لیے لائن جو کھانا ہوتا ہے ان کے سامنے رکھا۔ اور جب آپ نے دیکھا کہ وہ اس کو ہاتھ تک نہیں لگاتے تو انہیں اور پرا سمجھا اور ان سے انہیں وحشت ہوئی۔ یہاں



ہمک کہ جب آپ پر یہ واضح ہوا کہ یہ ملائکہ ہیں تو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے گھر والوں سے  
ظاہری وحشت نائل ہوئی اور ان کو خوشی حاصل ہوئی اور ان کے نفوس نے ملکوت کا رنگ  
اختیار کیا۔ اس لیے (فرشتوں کی) ان کے حق میں یہ دعا تھی۔ کہ اے اس گھرانے والو!  
تم پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ہوں۔

• جاننا چاہیے کہ ملائکہ اللہ کی روح ہوتے ہیں۔ اور ایسی روح کی یہ خاصیت ہے  
کہ جب بھی اس کا کسی چیز پر گزر جاتا ہے تو اس چیز کی زندگی اور شباب لوٹ آتا ہے۔  
جب ملائکہ نے برکت کی دعا کی اور انہوں نے اپنی پوری کوشش سے یہ تصدیق کر لی  
سارہ کی حالت سہرا ہو گئی۔ (اور دوسری طرف) رحمت (الہی) بھی ابراہیم علیہ السلام  
کی دعا کے مقبول ہونے کی منتظر تھی۔ تب اسی حالت میں بی بی سارہ جوان ہو گئی اور اس  
لیے کہ بیٹے کی بشارت ملنے کے بعد ان کو ظاہری اور باطنی طور پر سرور اور تعجب لائے  
ہوا اور بیٹے کے تخیل سے بدن کے اندر اس کی روح منبشر ہوئی اور انشراح میں برکت  
ہوتی جیسے کوئی مریض شدید مرض میں مبتلا ہو اور اس میں کبھی ایسا ہوتا ہے، کہ اچانک  
فرح و سرور پہنچنے سے شفا یاب ہو جاتا ہے اور اس کی دوسری مثال یہ ہے کہ صنف  
باہ والوں کو اگر قوی قوت والے لوگوں کی حکایتیں سنائی جائیں تو ان کے سینے سے وہ  
ٹھیک ہو جاتے ہیں۔

پھر ابراہیم علیہ السلام نے ملائکہ سے پوچھا کہ ان کا کیا ارادہ ہے؟۔ انہوں نے  
آپ کو سب کچھ بتا دیا۔ پھر وہ لوط علیہ السلام کے قریب کی طرف گئے اور ان کے ہاں  
اترے۔ (ان کو دیکھ کر) لوط علیہ السلام کی قوم ان کے پاس دوڑتی ہوئی آئی۔ ان کا فساد  
کا ارادہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی لوط علیہ السلام کے خلاف معرکے میں جلد بازی



اور دُوری میں ہی اندھا کر دیا۔ پھر ان (حضرت نوح اور ان کے پیروں) کے لیے زمین کو اس طرح لپیٹا کہ ان کے چلنے میں برکت رکھی گئی اور ان کو یہ حکم تو اکرا چلتے وقت ہٹ کر نہ دیکھیں تاکہ مسافت کو زیادہ نہ سمجھیں، لیکن ان کا ارادہ جو کہ روح الہی کے لیے ایک مثالی صورت کی طرح تھا، پراگندہ ہوا۔ پھر عذاب نازل ہوا۔ اور وہ زمین کا سخت زلزلہ تھا۔ اور بارش، ہواؤں اور ازلے کے مائے کے منعقد ہونے سے کنکر کے پتھر بن گئے تھے (ان سے بھی ان کو عذاب کیا گیا)

جاننا چاہیے کہ تمام عذاب جو کائناتِ جزویہ کی قسم کے آتے ہیں، وہ سب سفال کے نامناسب اتصال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ اور یہ غیب ہی ہوتا ہے جب آسمان میں بارش بند ہو جاتی ہے۔ اور بڑی مدت تک اس میں بہت سے مائے جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زمین میں بہت سے مواد جمع ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے ساتھ ملامتِ اعلیٰ کا غضب اور لعنت بھی مل جاتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان اسباب میں بسط فرماتا ہے۔ اور ان مواد کو کبھی تو زلزلے اور زہیب آواز بنا دیتا ہے اور کبھی زمین میں دھنسنے ہوتا ہے۔ اور کنکر کے پتھر بستے ہیں اور کبھی تند اور تیز تر ہوا بنا دیتا ہے اور کبھی ان کو گرمی ہوتی بجلی اور منتشر آگ کر دیتا ہے۔





## یوسف علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کی تقدیر میں تکلیف و مصیبت اور ان کے والد سے جُدائی لکھی تھی، کیوں کہ اس پر سعادتی اسباب کی موافقت ہو گئی تھی۔ آخر آپ کو ایک بڑا واقعہ پیش آیا، جیسے بہائیوں کا ان کے ساتھ حسد کرنا اور انہیں کوئٹہ میں گرانا۔ پھر تاجروں کے ہاتھ فروخت کرنا اور ان کا زلیخا کے یہاں پہنچنا اور قدر خانے میں ہونا۔ یہاں تک کہ بلا و مصیبت کا زما نہ گزر گیا۔ پھر اللہ نے ان پر رحمت فرمائی۔ اور اپنی رحمتوں کی ظاہری اور باطنی طور پر بارش برساتی۔ ان کے لیے اس حلقے میں ان کے پردوگاری کی مختلف نعمتیں تھیں۔

ایک یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام پاک باز تھے۔ ان پر خواب میں وہ سب ظاہر ہوا جو آخر کار ان پر اللہ کا انعام ہونا تھا۔ مثلاً مخلوق ان کی اطاعت کرے گی۔ ان کے ماں باپ اور ان کے بھائی ان کی تعظیم کریں گے۔ یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کی تعبیر فرمائی اور اللہ کی نراذ کو معلوم کیا۔ اور اپنے تنبیہ سے کلی طور پر نراذ کے راز کو بھی جان لیا کہ یوسف علیہ السلام تعبیر واقعات اور خواب کے لیے بھی مستعد ہیں۔ کیوں کہ خواب اور حوادث کے لیے کوئی تعبیر ہوتی ہے جس کو جابر مع تنبیہ کا حامل معلوم



کر لیتا ہے۔ تنبیہ جامع سے میرا مقصد یہ ہے کہ معنی مراد کو وقتِ خیالیہ ایسی صورت  
پہنائے جو کہ طبیعت کی صورت کے مناسب ہو اور اس کی بنا طبیعتِ کلیہ کی اقتضائے  
پر ہوتی ہے جب یہ حقیقتِ اجمالیہ کا عالمِ ناسوت میں افاضہ کرتی ہے۔

ان عنایات میں سے دوسری عنایت یہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام کے  
بھائیوں نے ان پر حسد کیا اور ان کو جان سے مار ڈالنے کا باہمی مشورہ کیا تو ان میں سے  
ایک کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے یہ نکلوا یا کر یوسف کو قتل نہ کرو اور ان کو کنوئیں میں ڈال  
دو۔ پھر اللہ نے سب کو اس کی بات کا قائل کر دیا۔ (اور اس کے کہنے پر ان کو قتل نہ کیا،  
تو خدا نے یوسف کے قتل کو کنوئیں میں ڈالنے سے بدل دیا اور قصا کو اس پر آسان کر دیا۔  
ان پر تیسری عنایت یہ تھی کہ جب ان کو بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا تو اللہ تعالیٰ  
نے ان پر نلکے کے اپنے حال کی جو آگے ہونے والا تھا اور ان کے بھائیوں کے حال  
کی وحی کی کہ وہ سب ان کے تابعدار ہوں گے اور یوسف کی فضیلت اور ان کے  
حق میں اپنی خطا کا یہ کہہ کر اعتراف کریں گے کہ "تحتسب اللہ نے تجھ کو ہم پر فضیلت  
دی ہے۔" اس وحی کرنے کا فائدہ یہ تھا کہ یوسف کے دل کو تسلی ہو جائے اور اس  
سے اس کی وحشت رفع ہو جائے۔

چوتھی عنایت یہ تھی کہ اس حادثے کی طبعی امتناعیہ تھی کہ یوسف ہلاک ہوں مگر  
اللہ تعالیٰ نے اس کو روک دیا۔ حقیقت میں تو اس کو ہلاکت کا سبب نہ بنایا لیکن  
ظاہراً اور حکایت، گمان اور یعقوب علیہ السلام کے (ان پر) غم کرنے کے لحاظ سے  
اس کو ہلاکت کا باعث بنا دیا۔



پانچویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف کی خلاصی کے لیے یہ تقریب فرمائی کہ قافے والوں کے دلوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ اس طرف کو جائیں اور اپنے میں سے ایک کو کنوئیں کی طرف بھیجیں۔ ان کا یہ گمان تھا کہ وہاں پانی ہوگا۔ اس طرح یوسف اسے مل گئے اور وہ ان کی طرف راغب ہوا۔ اور ان کا اس خیال سے حفاظت کی کہ ایک عمدہ پونجی ہے۔ سخی بات یہ ہے کہ اس سے یوسف کی طول حیات مراد تھی۔ اور ان کا اپنے کمال کی حد تک پہنچنا۔

چھٹی عنایت یہ ہے کہ جب ان کو مصر کے عزیز نے خرید لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ اپنی بیوی کو یوسف علیہ السلام کے ساتھ اپنے برتاؤ کی وصیت کرے۔ اور بیوی کے دل میں بھی یہ القا کیا کہ وہ ان کا خیال ٹر سکے اور شاید ان کو اپنا بیٹا بنا لے۔ سخی یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سخی میں اللہ کی مراد یہ تھی کہ ان کو ملک مصر میں سکونت دے اور بڑی نعمت سے پہلے ان پر اپنی رحمت کو کامل کرے۔

ساتویں عنایت یہ ہے کہ تعلیم حاصل کرنے کے بغیر اللہ نے ان پر اپنی حکمت اور علم کو ظاہر فرمایا۔ اور ان پر ملت صنیعی کو واضح کیا۔ اگرچہ ان کی بود و باش کا فروں کی قوم میں تھی جہاں بڑی رسمیں تھیں۔

آٹھویں عنایت یہ ہے کہ جب عورت (زلیخا) ان پر عاشق ہوئی اور ان کو پھسلنا شروع کیا۔ وہ ایک قوی مزاج والے جوان تھے، اور البتہ عورت نے فکر کی اور اس نے بھی فکر کی عورت کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی دلیل ظاہر فرمائی جس سے ان کے دل میں عصمت نے جوش مارا اور اس نے ان کے مزاج کے جوش کو ٹھنڈا

۱۔ یہ سورہ یوسف کی آیت ۲۴ ولقد عصمت به وھم بہا کی طرف اشارہ ہے۔ مؤلف امام غاس آیت کے تحت "عصمت" کی مزید تحقیق تفسیرات جلد ۱ ص ۲۶۰ میں فرمائی ہے۔



کر دیا۔ اگرچہ ان کا مزاج قوی تھا اور اس کی یہ صورت ہوئی کہ ان کو اپنے باپ (یعقوب علیہ السلام) کی صورت نظر آئی، جن کو وہ جانتے تھے کہ یہ (باپ)، اللہ کے شعائر میں سے ہے اور وہ ملک میں اللہ کی طرف بلائے والے اور اس فعل سے ان کو روکنے والا ہے۔  
نویں عنایت یہ ہے کہ جب یوسف علیہ السلام پر تہمت لگائی گئی اور لوگوں میں آپ کی عصمت اور صداقت پر، کوئی گواہی دینے والا نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ایک بچے کو ایسی حکمت سے گویا کر دیا جس سے ان کی برائت (اور صفائی) ہو گئی۔

دسویں عنایت یہ ہے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے یوسف علیہ السلام کو بتا سوار کر عورتوں کو اس لیے دکھلایا کہ اپنے آپ سے ان کی ملاقات کو دفع کرے تو وہ عورتیں ان پر عاشق ہو گئیں اور انہوں نے ان تک رسائی کی بڑی کوشش کی۔  
ایسی حالت میں، بظاہر یوسف علیہ السلام کی عصمت کا باقی رہنا مشکل معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے انہوں نے اپنے پروردگار سے اپنی خلاصی کی دعا مانگی۔ چاہے وہ خلاصی قید کی صورت میں کیوں نہ ہو، جس قید کی زینچانے اپنی مقصد برآر می کے لیے ان کو دھکی بھی دی تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان لوگوں کے خیال میں یہی آیا کہ ان کو قید کریں، اگرچہ ان کی برائت ثابت ہو گئی تھی۔

گیارہویں عنایت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی رہائی اور مصر میں ان کو قوت دینے کی عجیب تقریب فرمائی۔ اور ان کے لیے ایسا سبب مہیا کیا کہ عام اور خاص سبب ان کی مدح و ثنا میں رطب اللسان ہو جائیں اور وہ تقریب یہ تھی کہ، دو شخصوں کو خواب دکھایا۔ یوسف علیہ السلام کو اس خواب کی تعبیر کی تو فائق عطا فرمائی۔ انہوں نے اس خواب کی مراد کو سمجھ لیا اور ساقی سے کہا کہ اپنے مالک کے



ہاں ان کا ذکر کریں اور ان کے فضل کو ظاہر کریں۔

بارہوی عنایت یہ تھی کہ جب اہل مصر کو ایک عظیم قحط نے گھیر لیا جس سے وہ ہلاک ہونے والے تھے تو اللہ نے ان پر رحم کر کے ان کے بادشاہ کے دل میں ان کی نجات کی تدبیر ڈال دی۔ اور یہ تدبیر اور الہام یوسف علیہ السلام کے سوا پورا نہیں ہو سکتا تھا۔ اور حضرت یوسف علیہ السلام کی رہائی اس وقت ہی ہو سکتی تھی جب اس کے لیے بادشاہ کے دل میں اس کا القا کیا جائے اور لوگوں کو یوسف علیہ السلام کی ضرورت ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے بادشاہ اور شہر کو یوسف علیہ السلام کا محتاج بنایا۔ اور یوسف علیہ السلام کو بھی بادشاہ اور لوگوں کی طرف حاجت پڑی تاکہ جو کام ہونے والا ہے اس کو ادا پورا کرے۔ اکثر حوادث اس کی طرح ہوتے ہیں۔ جن میں بہت سے لوگوں کے لیے عنایات باری صبح ہوتی ہیں۔

تیسری عنایت یہ تھی کہ یوسف علیہ السلام کو یہ توفیق عطا ہوئی تھی کہ اس وقت تک وہ قید خانے سے باہر نہ آئیں جب تک ان کی برأت نہ ہوے اور قبل اس کے کہ اللہ کی نعمتیں ان کو گھیر لیں، لوگوں میں ان کی صداقت کی تشہیر ہو جائے تاکہ ان کا صدق دنیا سے آلودہ نہ ہو جائے۔ اسی لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ثنا فرمائی اور ان کے فضل کا اعتراف کیا۔ آپ نے (ایک حدیث میں) فرمایا کہ اگر میں قید خانے میں اتنی مدت ٹھہرتا جتنی یوسف علیہ السلام ٹھہرے تھے تو میں داعی کی بات پر کان دھرتا (یعنی قید خانے سے نکل آتا)۔

۱۷ اس حدیث کو امام احمد نے سند میں اور بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ

عنه بروایت کیا ہے۔ دیکھیے تفسیر ابن کثیر، جلد ۲، ص ۲۸۱۔ طبع مصطفیٰ نجف، مصر۔



چودھویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو حاکم بنایا اور  
(مصر کے بادشاہ) ریان کے دل اور دوسرے تمام لوگوں کے دل کو ان کا مطیع کیا۔  
اور اسے اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام اور دوسرے تمام لوگوں کے لیے نعمت بنایا۔  
پندرھویں عنایت یہ تھی کہ اللہ نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں ان کے  
پاس آنے کی رغبت پیدا کی تاکہ عمر وہ لوگوں سے ملاقات ہو سکے۔ حضرت یعقوب  
علیہ السلام توحید اور علم اسباب سب کو جانتے تھے۔ وہ نظر لگنے سے ڈرے اور بیٹوں  
کو اس سے بچنے کی تدبیر بتائی۔

سولھویں عنایت یہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ اپنے بھائی دین  
یا مین کو اپنے پاس روک لیں تاکہ دوسرے بھائیوں کی بے خبری میں اپنے اس بھائی  
سے انس حاصل کریں تو اللہ تعالیٰ نے (ایک تدبیر فرمائی کہ) ان کے بھائیوں سے  
کھلوادیا کہ جس کے سامان میں (کھوئی ہوئی چیز) پائی جائے تو وہی اس کے بدلے میں  
جائے۔ وہ اپنے زعم میں اپنی برادری کے اظہار میں مبالغہ کر رہے تھے لیکن حقیقت  
میں غیر شعوری طور پر وہ یوسف علیہ السلام کے مقصد برآری کی کوشش کر رہے تھے۔  
پھر اللہ تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام کے دل میں یہ اجمالی وحی کی کہ وہ اپنے  
بیٹوں سے ملیں گے۔ پھر ان پر اپنی رحمت پوری کی اور اس خوشی کے سلسلے میں جو ان  
کی روح کو بیٹوں کی ملاقات والی بشارت سے پہنچی تھی، ان کی بیٹائی لوٹ آئی اور  
حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب صحیح ثابت ہوا۔ پس یہ سب (عنایت الہی کی)  
علامات تھیں جو کہ یوسف علیہ السلام پر ظاہر ہوئیں۔ سب مومنوں کو چاہیے کہ ان  
سے یہ سمجھ لیں کہ اللہ اپنی عنایت کو خلق میں کس طرح ظاہر فرماتا ہے، جب کسی شخص کو



کسی ہلاکت سے بچا کر باقی رکھنا چاہتا ہے یا دنیا اور آخرت میں اس کے کمال تک  
اس کو پہنچانا چاہتا ہے۔ اور جب اللہ کسی قوم کے بقا کا ارادہ کرتا ہے تو کس طرح  
نجات کی تدبیر دل میں ڈال دیتا ہے۔ پھر جو بھی اس خدمت کے لیے مستعد ہوتا ہے  
اس کو اس تدبیر کی خدمت میں لگا دیتا ہے۔ اللہ کی آیات میں تمہیں تدبیر کرنا چاہیے۔  
اور تمہیں یہ بھی جانتا چاہیے کہ خدا کی تدبیر مخلوق میں کس طرح کام کرتی ہے۔





## ایوب علیہ السلام

ایوب علیہ السلام نے نعمت، ثروت، آرام، عبادت اور نظافت میں نشوونما پائی۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ یہ ان کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور برائیوں سے روکتے تھے۔ اور ان کو ملتِ حنیفی کی طرف بلاتے تھے۔ قوم کے فقرا اور مساکین کی حاجت روائی کرتے تھے۔ پھر موافق ہو گئے اسبابِ سماوی مصیبت پہنچانے پر ان کے مال و اہل و عیال اور جسم، سب میں۔ اور اس وقت بھی ان کے پروردگار کی ان پر یہ عنایتیں تھیں کہ ان پر خیر کا فیضان ہوتا تھا اور ان کو دقلبی، اطمینان تھا، ان کی یہ حالت ان اصولوں میں شمار ہوتی ہے جن سے اللہ کے لیے ان کی فرماں برداری اور اطاعت کی وضاحت ہوتی ہے۔ یہ حالت ان کے نامہ اعمال میں لکھی گئی اور اس پر اللہ نے ان کے شکر بجا آوری کو قبول فرمایا۔

جب ان کی مصائب جاتی رہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمتیں برسائیں اور جو رحمت پوشیدہ تھی وہ ظاہر ہوئی اور ان سے کہا گیا "لات مار اپنے پاؤں سے یہ چشمہ نکلا نہانے کو ٹھنڈا اور پینے کو۔" زمین پر لات مارنا تو اسبابِ ارضی ہیں اللہ تعالیٰ

لہ سورت ص ۱ آیت ۲۱، ۲۲۔ اذ کف یوجلاک هذا اغتسل باردا وشراب۔



کی عنایت تھی تاکہ وہ یوں ہی بے کار نہ رہ جائے۔ (اس سے) وہاں پانی کا ایک  
چشمہ بھوٹ نکلا، جس کی یہ خاصیت تھی کہ اس کے استعمال سے جذام کا خاتمہ  
ہو جائے، جس طرح گندھک کے پختے کی خاصیت ہوتی ہے خارش کا ازالہ۔ حضرت  
ایوب علیہ السلام اس پانی سے نہائے اور اسے پیا جس سے ان کا سار ابدن اچھا ہو گیا  
اور مرض کا ماوہ جاتا رہا، حضرت ایوب اور ان کی بیوی دونوں کا شباب لوٹ آیا پھر  
ان کی جتنی اولاد ہلاک ہوئی تھی، وہ اور اس قدر مزید ان کے لیے پیدا ہوئی۔ اور اپنے  
زمانے کے لوگوں اور ان کے بعد کے آنے والے لوگوں سب میں سچے (مشہور)  
ہو گئے۔ اللہ نے ان کے مال میں برکت دی، جس طرح اس سے پہلے برکت دی تھی  
یا اس سے بھی زیادہ۔

ایک روز حضرت ایوب علیہ السلام غسل کر رہے تھے کہ اللہ کی رحمت سے  
ٹڈیاں آئیں اور جب ان کے گھر میں گر پڑیں تو سب سونے کی ہو گئیں اور ان میں سے  
ایک گھر کے باہر گری تو اس کو بھی اٹھا لائے کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ جب کسی طرف سے  
رحمت متوجہ ہوتی ہے تو حتی الامکان (اس کو چھوڑنا نہ چاہیے) اس کو بچھا کر نا ضروری ہے۔  
حضرت ایوب نے یہ منت مانی تھی کہ اپنی بیوی کو سو درے ماریں گے اور اللہ  
تعالیٰ کی ان پر رحمت اور آسانی کی نظر تھی تو نذر کی ایسا میں حقیقی صورت کو چھوڑ کر  
اس کی ظاہر صورت پر اکتفا کی۔ کیوں کہ ایک سو مرتبہ مارنے کے معنی ہیں شدید درد  
پہنچانا اور اس سے ظاہر ہی مراد ہے ایک سو مرتبہ مارنا۔ چاہے وہ ایسی شکل میں ہو  
کہ اس سے کوئی خاص تکلیف نہ پہنچے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے پیارے بندوں کے ساتھ  
برتاؤ ایسا ہی ہوتا ہے کہ ان سے حدود شرعیہ کی ظاہر ہی صورت پر اکتفا کی جاتی



ہے۔ اصل حقیقت کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔ یہ اللہ کی عنایت اور ارادے سے ہوتا ہے جس کا تعلق ان شرائع سے ہوتا ہے جو علماء اعلیٰ کے سینوں میں بنتی ہیں ذیعنی طاء اعلیٰ میں ان کا فیصلہ ہوتا ہے۔ پھر ان میں ان شرائع اور احکام کی وجہ سے حرج اور تکلیف نظر آتی ہے۔ اسی طرح ہر پسندیدہ نظام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی برتاؤ ہوتا ہے۔ جب اسباب ارادہ کی اس پر موافقت کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے درمیان عدل اور انصاف سے اسی طرح فیصلہ کرتا ہے کہ جسے کے ایک پہلو کو لیا جاتا ہے اور دوسرے کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔





## شعیب علیہ السلام

حضرت شعیب علیہ السلام صاف دل والے مومن اور اپنے پروردگار کے فرماں بردار تھے۔ ان کی قوم نے زمین میں فساد کیا اور لوگوں کے حقوق میں بے انصافیاں روا رکھیں اور برسی رسموں پر جمع ہو گئے تھے۔ مظلوم لوگ فریاد کرتے تھے لیکن ان کی کوئی نہیں سنتا تھا۔ انھوں نے اللہ اور آخرت پر ایمان کو بالکل بھلا دیا تھا۔ اللہ کی حکمت کا یہ تقاضا تھا کہ شعیب علیہ السلام کی طرف یہ وحی فرمائے کہ ان کی قوم کو دگنہوں کی پاداش میں، خدا کی طرف سے جو سزا ملنے والی تھی، اس سے ڈرائیں اور ان کو خدا کے غضب سے باخبر کریں۔

جب شعیب علیہ السلام کے (بجھانے اور) ڈرانے کے کوئی نتیجہ نہ نکلا تو حکمت الہی منتظر رہی یہاں تک کہ ایک مدت دراز تک ان سے بارش رک گئی۔ اور زمین کے مواد بھی رُک گئے اور شدت کی گرمی پڑی تو اللہ کا حکم آپہنچا۔ چنانچہ ان پر گرم ہوا چلی پھر ان ہواؤں میں اضافہ ہوا اور وہ آگ ہو گئیں اور انھیں درعد کی مہیب آواز آئی۔ (اس سے) وہ ہلاک ہو گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام جس طرح پہلے اپنے رب کے فرماں بردار تھے، اسی طرح اب بھی مطیع مومن رہے۔



اور قوم کے ساتھ بھگڑنے اور ڈرانے کا خیال جو ان کے سینے میں جوش مارتا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ اور یہ جوش طاءِ اعلیٰ میں قومِ شعیب پر لعنت اور غضب کرنے کے نتیجے میں تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام پر ایک حالتِ الہی کا نزول ہوا تھا، اس سے وہ لذت حاصل کرتے تھے۔ اور اس لیے ان کی یہ خواہش تھی کہ بعض افراد ایمان لائیں اور بعض نہ لائیں۔



بہت سی باتیں لکھی ہیں جو کہ ان کے سینے میں جوش مارتا تھا، وہ ختم ہو گیا۔ اور یہ جوش طاءِ اعلیٰ میں قومِ شعیب پر لعنت اور غضب کرنے کے نتیجے میں تھا۔ حضرت شعیب علیہ السلام پر ایک حالتِ الہی کا نزول ہوا تھا، اس سے وہ لذت حاصل کرتے تھے۔ اور اس لیے ان کی یہ خواہش تھی کہ بعض افراد ایمان لائیں اور بعض نہ لائیں۔



## موسیٰ و ہارون علیہما السلام

جاننا چاہیے کہ فرعون نے اللہ اور اس کے شعائر سے تکبر کیا اور اس نے اپنی خدائی کا دعویٰ کیا۔ خدا کی مخلوق کو اپنا غلام بنایا۔ ملک میں فساد کیا، اور بنی اسرائیل پر ان کے بیٹوں کے قتل کرنے اور ان کو ذلیل و خوار رکھنے سے غلبہ حاصل کیا۔ (اس دور میں) بنی اسرائیل ملک میں اللہ کی مخلوق میں سب سے اچھے لوگ تھے۔ انھوں نے اللہ کے آگے عاجزی سے فریاد کی۔ ان کی دعا قبول ہوئی، اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا کہ فرعون اور اس کی قوم کو ان کے بد اعمال کی سزا میں عذاب دے اور کمزور بنی اسرائیل پر احسان فرمائے۔ ان کو دقوموں کا پیشوا بنائے اور ان کو زمین کا وارث کرے۔ تب اللہ نے اپنی مراد کو بروئے کار لانے کے لیے ایک عظیم اشان شخص کی پیدائش کا حکم دیا۔ جس کا یہ کارنامہ ہوگا کہ فرعون اس کے ذریعے ہلاک ہوں گے اور بنی اسرائیل اس کی مدد سے (فرعونوں کے مظالم سے) نجات پائیں گے۔ پھر اس شخص پر اس کے شروع سے لے کر اس کے قوت پانے تک اللہ تعالیٰ کی عنایتیں تھیں۔ اور اس کو پورے طور پر آزمایا تاکہ اس پر اس کی جبلت منکشف ہو اور اس کی استقامت میں جو چیز



پوشیدہ ہے وہ ظاہر ہو جائے۔

ان عنایات میں سے ایک عنایت یہ تھی کہ فرعون نے بنی اسرائیل کی عورتوں میں دایوں کو جاسوس بنا کر بھیجا اور اللہ نے موسیٰ علیہ السلام کو ان سے اس طرح چھپا لیا کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہاں کبھی حمل نہیں ہے۔ پھر جب وہ پیدا ہوئے تو ان کی ماں کے دل میں ان کی نجات کے جیلے کا الہام کیا کہ اس کو دودھ پلاتی رہ! پھر جب تجھ کو ڈر ہو تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ ڈر اور نہ غم کھا ہم پھر پہنچا دیں گے اس کو تیری طرف اور کریں گے اس کو رسولوں سے۔

اس کی عملی شکل یہ تھی کہ اس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل میں یہ بات آئی کہ موسیٰ کو اپنے پاس رکھنے میں ہلاکت کا اندیشہ ہے اور اگر اس کو دریا میں ڈال دیا جائے تو یہ اس کی خلاصی کا سبب ہو سکتا ہے، اور شاید یہ وہی نبی مرسل ہو جس کی علمائے بنی اسرائیل نے بشارت دی ہے اور جس سے فرعون خائف ہے۔ یہ الہام پہلے تو ایک معمولی خیالی کی شکل میں نمودار ہوا پھر اس میں اضافہ ہوا اور اس خیالی میں دعزم کی طرح، اتنی قوت پیدا ہوئی کہ وہ اپنے آپ کو اس سے نہ روک سکی۔ اور اس نے موسیٰ کو دریا میں ڈال دیا۔ (تدبیر الہی اور الہام نے) دریا میں شدید موجوں کو ابھارا اور ان موجوں نے صندوق کو آلی فرعون تک پہنچا دیا۔ انہوں نے اس صندوق کو نکال لیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رغبت ڈال دی۔ وہ یہ خیال کرنے لگے کہ یہ بچہ ان کے لیے سود مند ہو گا اور وہ اس کو اپنا بیٹا بنائیں گے۔ صریح حق بات یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے یہ ارادہ فرمایا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی



اچھی تربیت ہو اور ان کو فرعون کے خوف سے مامون و محفوظ بنائے۔ اور اللہ کی یہ شان  
 رہی ہے کہ جب کسی ملت یا حکومت کی ترقی چاہتا ہے تو اکثر اوقات ایک فاجر آدمی کے دل  
 میں اس کے ذہن کے موافق ایک خیال ڈال دیتا ہے۔ اور وہ شخص اس پر عمل کرتا ہے۔ اس  
 طرح حق تعالیٰ اپنی مراد کو پورا کرتا ہے اور اس شخص کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔ چنانچہ حضرت  
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ تحقیق اللہ اس دین کو ایک فاجر و فاسق آدمی سے  
 قوت دیتا ہے۔<sup>۱</sup>

پھر جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے دل کو قرار نہ رہا اس لیے کہ وہ الہام الہی کی مناسبت  
 طور پر تابعدار ہو کر طبیعت کے احکام سے جدا نہ ہوئی تھی اس لیے وہ سوچ میں پڑ گئی اور  
 اس نے یہ سمجھا کہ اس بے تدبیر میں خطا واقع ہوئی ہے۔ اس سے پہلے کہ وہ صندوق  
 کو کہیں لے جائیں اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ صندوق پر نظر رکھے۔ لیکن خدا نے اس کے  
 دل کو مضبوط کیا، پھر کبھی تو وہ یہ کہتی تھی کہ شاید خدا وہی کرے جس کی مجھے آرزو ہے اور کبھی  
 اس راز کو بے قرار ہو کر فاش کرنا چاہتی تھی۔<sup>۲</sup>

<sup>۱</sup> یہ صحیح بخاری کی ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔ اصل روایت حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ ہم خیبر کی لڑائی  
 میں موجود تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کے حق میں جو مدعی اسلام تھا، فرمایا کہ یہ شخص جہنمی ہے۔ لڑائی کے  
 موقع پر اس شخص نے دشمنوں سے سخت لڑائی لڑی اور شدید زخمی ہو گیا۔ اس شخص کے بظاہر اس مجاہدانہ کارنامے کو دیکھ کر  
 بعض لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی داس شخص کے حق میں کہی ہوئی بات میں شک کرنے لگے لیکن ہوا یہ کہ جب اس  
 زخمی شخص نے شدید درد محسوس کیا تو خود کشتی کر لی۔ لوگوں نے دوڑ کر آپ کو اس کا سارا قصہ سنایا، تب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم  
 نے ایک شخص کو یہ اعلان کرنے کا حکم فرمایا کہ جنت میں مومن ہی داخل ہوتا ہے۔ بے شک اللہ دین کی فاجر آدمی سے ناپید کرتا  
 ہے۔ صحیح بخاری جلد ۲ ص ۴۰۴۔ اصح المطابع۔ سورہ قصص کی آیت۔ ۱ کی طرف اشارہ ہے۔  
<sup>۲</sup> سورہ قصص آیت ۱۱۔



پھر موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی بہن سے کہا کہ اس دھند وق کے پیچھے چلی جا۔  
پس وہ دیکھتی رہی اسے اجنبی ہو کر۔ اور ان کو خبر نہ ہوئی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ والدہ موسیٰ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ وہ ٹھیک نہ ہو۔ وہی موسیٰ کی پرورش کرے اور فرعون سے بے خوف ہو کر ان کو دودھ پلائے تاکہ یہ امر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے زیادہ مناسب، ان کے نسب کے لیے مزید استحکام کا باعث اور ملتِ حنیفیہ کو اپنے لیے مذہب قرار دینے کے لیے زیادہ قریب ہو، اور یہ کہ حضرت موسیٰ کی والدہ سمجھ لے کہ یہ بات جو اس کے سینے میں ڈالی گئی ہے، وہ درحقیقت اس کے پروردگار کی طرف سے الہام تھا۔ اس طرح وہ اپنے رب کی فرماں بردار اور اس کی شکر گزار ہو جائے تاکہ یہ بات اس کے کمال میں اس کے لیے زیادہ نفع بخش ہو۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہ تقریب فرمائی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ہر کسی کا دودھ پینا حرام کر دیا۔ آپ نے کسی بھی دودھ پلانے والی عورت کی چھاتی کو منہ نہ لگایا۔ ہر دودھ کو بد مزہ سمجھنے لگے یہاں تک کہ وہ لوگ عاجز آ گئے۔ پھر جب ان کو موسیٰ کی والدہ کے متعلق علم ہوا اور وہ دودھ پلانے کے لیے بلائی گئی، تو ان کا دودھ انہیں خوش گوار معلوم ہوا۔ اور وہ دودھ پلانے والی مقرر ہوئیں۔

پھر حضرت موسیٰ اپنی عقل اور علم میں برابر بڑھتے گئے اور ان پر ان کی فطرت کا انشراح ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ جب وہ اپنی قوت کو پہنچے تو انہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت اور علم عطا فرمایا۔ وہ احکامِ الہی کی تاویل سمجھ گئے اور ملاءِ اعلیٰ سے منصب (اور مستفیض) ہونے کے تیار ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی تربیت سے خلاصی دینے اور اس سے نجات دینے کا ارادہ فرمایا تاکہ وہ فرعون سے جدا ہو کر،



اپنے علم اور ہدایت میں کامل ترین انسان ہوں۔ کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان لوگوں میں سے تھے، جن پر ان کی فطرت کا انشراح مومنوں کی صحبت سے کمال کو پہنچتا ہے اور فرعونی لوگوں کی صحبت اور ان کی معاشرت حضرت موسیٰ کو (اس کمال تک پہنچنے سے) مانع تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون سے الگ رکھنے کے لیے ایک ایسی تقریب بہم فرمائی جو ان کی عصمت سے بھی نہ ٹکراتی تھی۔ اور وہ یہ تھی کہ حضرت موسیٰ اصلاح کے لیے ایسے دو شخصوں کے بیچ ہیں پڑ گئے جو ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ اور اس سے ظالم کی تادیب مطلوب تھی۔ آخر آپ کے ہاتھ سے وہ مر گیا اور انہوں نے اس زبان سے جو اس دور میں متعارف تھی، اللہ سے بخشش مانگی اور اللہ نے اس کی توبہ قبول کی۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل پر جو پردہ تھا، اس کو ہٹا دیا یہ پردہ اس لیے پڑا تھا کہ انہوں نے گمان کیا تھا کہ میں نے گناہ کیا ہے۔ ورنہ وہ تو اس قتل میں اللہ کے امر کے خادم اور مطیع تھے، لیکن اس وقت کی زبان اور اس کے حال کا یہ تقاضا تھا کہ وہ اس راز کو نہ سمجھے اور وہ شرعی حکم ان پر مشتبہ رہا جس کو وہ شریعت سے جانتے تھے تب وہ ڈر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی زبان سے جس کی حضرت موسیٰ نے مدد کی تھی اور اس پر احسان کیا تھا، ایسی چیز کھلوادی جس میں ان کی ہلاکت کا خوف تھا۔ یہ خدا کی طرف سے ایک تدبیر تھی تاکہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ہاں سے نکل جائیں اور اس کی نعمت سے ناامید ہو جائیں اور یہ اس طرح ہوا کہ اس شخص نے موسیٰ علیہ السلام کے اس قول سے کہ "تو واضح گمراہ ہے۔" یہ سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ اسے پکڑنا چاہتے ہیں۔ پھر یہ خبر پھیل گئی اور شہر میں مشہور ہو گئی۔ اور فرعون ناراض ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ



نے اس کے مجاز سے ایسی بات کہلوادسی جو موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے نکل جانے پر براگینہ کرے۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مدین کی طرف بغیر کسی زادراہ، سواری اور رہنما کے چلے اور اپنا کام اللہ کو سونپا اور اس پر توکل کیا تو اللہ نے ان کی حفاظت اور رہنمائی کی اور جب مدین کے پانی پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسا سبب ہم فرمایا جس سے ان کا مدین میں رہنا ممکن ہو جائے۔ وہ یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دل میں یہ ڈال دیا کہ وہ حضرت شعیب علیہ السلام کی بکریوں کو بلا کسی معاوضے کے پانی پلائیں اور دوسری طرف شعیب علیہ السلام اور ان کی دو بیٹیوں کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حق میں رغبت پیدا کی۔ کیونکہ وہ طاقت ور اور امانت دار تھے اس لیے ان کو گلہ بانی کے لیے مقرر فرمایا اور وہ بھی یہی چاہتے تھے۔

(حضرت شعیب نے ان سے کہا کہ کوئی عصا لے لو، خدا نے حضرت موسیٰ کو اس عصا کے اٹھانے کی ہدایت فرمائی جس کے انبیاء علیہم السلام ایک دوسرے کے بعد وارث ہوتے آتے تھے اور اس میں برکت تھی۔ پھر حضرت موسیٰ مصر کی طرف روانہ ہوئے اور یہ سفر نطاہر تو اپنی قوم کی محبت کی وجہ سے تھا لیکن فی الحقیقت اس سے اللہ امر رسالت کو پورا کرنا چاہتا تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام وادسی طوسی میں پہنچے اور یہ برکت والی وادی تھی بہاں ملائکہ کی رو میں جمع ہو گئی تھیں تو خدا نے ایک تقریب ہم فرمائی۔ حضرت موسیٰ کو آگ اور راستہ معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی اور ان کی بی بی کو روزہ شروع ہوا (اس وقت) سردی ہو گئی اور راستہ (بھی) بھول گئے۔ پھر جب وہ اس وادی میں ایک بیری کے درخت



کے پاس پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ایک ایسی عجیب  
تجلی فرمائی کہ اس جیسی تجلی اس سے قبل دوسرے کے لیے نہ ہوئی تھی۔ اور وہ  
یہ ہے کہ ملاء اعلیٰ (مقدس ملائکہ کی جماعت) میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بالمشافہ  
خطاب کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ کیونکہ حضرت موسیٰ طبیعت کے سخت بہادر  
اور غیور تھے تو آپ کی طبیعت نے اس جگہ پے درپے آگ کا تصور کیا اور اس  
پر اللہ تعالیٰ نے آگ کی صورت کا افاضہ کیا اور یہ آگ عناصر کی قسم سے نہ تھی لیکن  
خالص عالم مثال کی چیز تھی۔ اس طرح خدا نے ملاء اعلیٰ کی زبان سے آگ کے اندر  
سے حضرت موسیٰ سے روبرو کلام کیا۔ اس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام ڈر گئے۔  
اللہ نے ان کا ڈر دور کیا اور ان سے فرعون کی طرف جانے اور اس کو ایمان کی  
طرف بلانے کا حکم فرمایا اور ان کو عصا اور روشن ہاتھ کا معجزہ دکھایا۔

اب ان دونوں کی حقیقت یہ ہے کہ جس طرح عالم مثال کا ظہور کبھی ایسے موجود  
کی صورت میں ہوتا ہے جس کا کسی بھی موجود طبیعی مانند آگ کے کوئی ربط نہیں ہوتا۔  
اسی طرح عالم مثال کبھی جسم طبیعی میں ظاہر ہوتا ہے اور اس پر مثال کے حکم کا اطلاق کیا  
جاتا ہے اور اس پر مثالی ہستی غالب آتی ہے۔ تب وہ عصا ناموتی مثالی بن جاتا  
ہے اور اس کی دو شاخیں اڑھے کے دونوں جیڑوں کی طرح ہوتی ہیں۔ اسکی طرح  
ہاتھ میں چمک تھی۔ وہ بعینہ نور ہوگی، اور اس دور میں جادو انسانی جو اس میں تصرف  
کرنے کا نام تھا۔ یہاں تک کہ لوگ اجسام طبیعی میں وہ اوصاف اور عوارض خیال  
کرتے تھے جو درحقیقت ان میں نہیں پائے جاتے تھے۔ پھر ظاہر ہوا حتیٰ اس جیسی صورت میں

۔ یعنی عالم مثال اور عالم ناموتی دونوں سے اس کو برہ ہوتا ہے۔



اور جاوہ باطل تھا کیونکہ وہ ایسا تختل ہے جس کی کوئی اصلیت نہیں۔ اور یہ عالم مثال سے آنا سچی ہے کیوں کہ اس کی اصل ہے۔

حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وہ تمام عنایات جو ان پر مہمونی تھیں کھول کر بتائیں مثلاً جس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی مال کو وحی فرمائی اور جس وقت ان کو اپنی محبت عطا کی۔ اسی طرح اس وقت سے لے کر اس حالت تک۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو علم عبادت کے اصول سکھائے اور فرعون پر دلائل سے غلبہ پاسنے کا علم دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بہت سی چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ سے سوال کیے جیسے ان کی زبان سے لکنت کی گمراہ کا دور ہونا اور ان کے بھائی (مارون) کو ان کے لیے وزیر مقرر کرنا۔ حضرت موسیٰ نے جو سوال کیے تھے، اللہ تعالیٰ نے وہ سب پورے کر دیے۔

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے مقابلہ شروع کیا تو اللہ تعالیٰ کی ان کے حق میں (بے انداز) عنایتیں تھیں۔ اس لیے کہ وہ اللہ کے پیار سے اور پسندیدہ تھے اور اس کی کچھ نشانیاں بھی تھیں جیسے فرعون اور اس کی قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت کا ہونا۔

ان عنایات اور آیات میں سے ایک یہ تھی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے پروردگار کے متعلق پوچھا تو حضرت موسیٰ نے اس کا واضح آیت ہی سے جواب دیا، کیوں کہ ذاتِ باری کی پہچان تھوڑے لوگوں کے سوا دوسروں کو نہیں ہوتی۔ اور احکام الہی عام اور سب لوگوں کو شامل ہیں۔ فرعون نے معجزہ طلب کیا تو آیات کا

لے یہ مضمون سورت طہ کی آیت ۳۸ سے شروع ہو کر آیت ۴۱ تک ختم ہوتا ہے۔



عصا اڑوایا گیا اور آپ نے جب ہاتھ نکالا تو کسی عیب کے بغیر چکنا نظر آیا اور انہوں نے جادو گر کو عاجز کر دیا اور حق واضح ہو گیا۔

دوسری عنایت یہ تھی کہ فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے آل فرعون میں سے ایک ایماندار شخص کو ان کے پاس بھیجا۔ اس نے فرعونوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ان کو ان کے ارادے سے روک دیا اور ان کو شک میں ڈال دیا۔ پھر ان کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ چند روز کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ڈھیل دی جائے اور جادو گر کو ان کے مقابلے کے لیے طلب کیا جائے۔ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اس طرح وہ جیت جائیں گے۔ سخی یہ ہے کہ یہ ایک تقریب تھی جس کا مقصد یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخی پر ہونا اور ان کے معجزے کا ظہور (لوگوں پر منکشف) ہو۔

تیسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جادو گر کو سخی بات کی ہدایت دی تاکہ آپ کی حجت (مخالفوں پر) صریح تر ہو کہ جو شخص آپ کے مقابلے کے درپے تھا، وہی آپ کا فرماں بردار ہو گیا۔

چوتھی عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نو واضح آیات کے ساتھ فرعونوں کی آزمائش

لے ان آیات کا بیان سورہ اسرار آیت ۱۰ میں آیا ہے اور یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قطعی دلائل کی حیثیت رکھتی تھیں۔ ان آیات کی تعیین میں مفسروں کا اختلاف ہے۔ حافظ ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ مجاہد، عکرمہ، شیبی اور قتادہ کی رائے میں وہ علامات یہ ہیں: ہاتھ کا روشن ہونا، لالھی، قحط کے سال، پھلوں کا کم ہونا، طوفان، ٹڈی دل، جو میں، مینڈک اور خون۔ حافظ ابن کثیر اس قول کو قوی اور اچھا کہتے ہیں دیکھیے تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۶ طبع مصطفیٰ محمد مصر۔



کی۔ جب ان پر کوئی مصیبت آتی تھی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے ہٹانے کی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے تھے تو اللہ اس کو ہٹا دیتا تھا اور جب اس کے نازل کرنے کے لیے دعا کرتے تھے تو اس کو نازل کرنا تھا۔

پانچویں عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا کی طرف جانے کا حکم فرمایا۔ جب آپ اپنی قوم کو لے کر نکلے تو فرعون نے اپنے لشکر کو لے کر ان کا تعاقب کیا۔ حضرت موسیٰ جب دریا پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے ایک تیز ہوا کو دریا پر مسلط کیا جس نے دریا کے ایک حصے کو پھاڑ دیا اور ایک کو خشک کر دیا اور اس نے اس کے ایک حصے میں ایسا تصرف کیا جس طرح وہ زمین کے اجزا میں تصرف کرتی ہے۔ اور وہ بگولابن جاتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو نجات دی اور فرعون اور اس کے لشکر کو ہلاک کیا۔

اس کے بعد جب بنی اسرائیل بیت المقدس کو چلے تو ایک ایسی قوم پر گزرے جو بت پرستی کرتی تھی۔ (اس کو دیکھ کر) بنی اسرائیل کے جاہل لوگوں نے جن کے دل میں ایمان کی تازگی داخل نہ ہوئی تھی، حضرت موسیٰ سے کہا کہ جیسے اس قوم کے لیے خدا ہیں، ہمارے لیے بھی خدا بنا دے۔ اور یہ بات ان سے اس لیے صادر ہوئی کہ ان کی جبلت کو جبروت کی طرف التفات نہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو مواعظ د اور نصیحتوں کے کوڑوں سے تادیب کی تو انہوں نے جبروت (ذات باری) کے مشابہ صورت کی طلب کی جس کو دیکھ کر وہ جبروت کی طرف التفات کریں۔ اس کے جواب میں، حضرت موسیٰ نے ان کو حقیقت سمجھایا اور ان کی بات کو غلط بتایا۔ تو وہ زبردستی (اپنے خیال سے) رک گئے اور بحالت شک خاموش ہو گئے۔ رامری



ان کی اس حالت کو تار کیا، پھر اس نے ان کے ساتھ وہ کیا جو کیا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا کہ وہ اس سے برکت والی جگہ میں مناجات کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو تورات کی تختیاں اور احکام عنایت کرے گا۔ اس مبارک جگہ کی خصوصیت اس لیے تھی کہ وہاں ملائکہ کی روحانیا کا اجتماع ہوا تھا اور اس اجتماع کی وجہ سے ظاہری خبریں ناپید ہو گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام وہاں اعتکاف میں بیٹھ گئے اور تنہا ہو کر اللہ کا ذکر کیا اور ملکوت سے مشابہت پیدا کی۔ اور جب اس جگہ کو دیکھا جس میں اللہ تعالیٰ نے تعالیٰ فرمائی تھی تو اس حالت کے فرماں بردار ہو گئے اور اس سے ان کو سرور حاصل ہوا۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات کی تختیاں عنایت کیں جن میں ہدایت اور رحمت تھی۔ یعنی نصیحتیں۔ اور خدا کی طرف سے (انبیاء علیہم السلام کی نصرت کے) گزشتہ واقعات اور اللہ کی صفات اور اس کے غالب افعال کا بیان تھا۔ تختیوں کا جوہر جنت کے زمرود سے تھا یعنی ایسے جوہر سے بنا ہوا تھا جو زمرود سے مشابہت رکھتا تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے کسی عنصری سبب کے بغیر اپنے حکم "کن" سے پیدا کیا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے (کوہ طور پر) جانے کے بعد سامری نے لوگوں کو اس طرح گمراہ کیا کہ روح (بجبریل) کے قدم سے مسٹی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے قالب میں ڈال دی۔ اس کی یہ خاصیت تھی کہ جس شے پر گزرتی تھی، اس میں اس کی مناسب زندگی لوٹ آتی تھی۔ یہ واقعہ فی الحقیقت بنی اسرائیل کے اچھے لوگوں کے لیے باعث رحمت اور جہلا پران کی عزت کا باعث تھا جب تک وہ اس کے لیے تیار رہے۔



یہ اس طرح ہوا کہ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ طبعی طور پر دجال تھے۔ وہ غیر اللہ کی عبادت کی طرف مائل تھے، اور وقتاً فوقتاً ان پر کفر کے اوہام گزرتے تھے۔ اللہ نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو ایسے لوگوں سے صاف کر دے۔ بنی اسرائیل میں سے کچھ لوگ ایسے دیہی تھے کہ اگر وہ اس دنیا میں باقی رہتے تو ایمان کی حقیقت کو کبھی نہ پہنچتے، اس لیے کہ ان کی ارضی (اور گھٹیا) ربح کی طبیعتیں ان کو اس سے روک رہی تھیں۔ ان کی بھلائی اس میں تھی کہ ان کو فرمانبرداری کی حالت میں قتل کیا جائے تاکہ عالم برزخ میں جا کر ان کی روحیں ترقی کر سکیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کو بلایا اور اس کے اشکال کو زائل کیا اور اس کو بدو عادی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی یہ عنایت ہوئی کہ جب ایک جماعت نے آپ پر اورۃ (فوطوں کے بڑھ جانے) کے عیب کا طعنہ دیا۔ اور اس کا سبب یہ تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام غسل کے وقت خیا کی وجہ سے پردہ کرتے تھے اور لوگوں نے اسے ان کا عیب چھپانا خیال کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سے بری کیا اور وہ اللہ کے ہاں بڑے عزت والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے سخی میں کسی کا بھی طعنہ دینا پسند نہ تھا۔ اس کی یہ صورت ہوئی کہ حضرت موسیٰ پانی سے گزرے تو وہاں غسل کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنے کپڑے اتار کر ایک پتھر پر رکھے۔ پتھر کپڑے کے زمین پر ٹھکا۔ قوم نے ان کو برہنہ دیکھ لیا اور موسیٰ علیہ السلام کے سخی میں اورۃ کے عیب سے پاک ہونے کی گواہی دی۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ اللہ کی عنایت پوری طرح ان کی طرف منوجہ ہوئی ہے اور ان کو ملاء اعلیٰ سے قوی مشابہت حاصل ہو گئی ہے تو انہوں نے



اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کیا کہ وہ ان کو ظاہراً دکھائی دے۔ یعنی نفسِ کلیہ پانچویں عنصر (شمال) کے ایک حصے کو احاطہ کرے اور وہ اس کے اندر ایسے جسمِ نورانی کا تصور کرے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنے رب کی معرفت کی عکاسی کرے۔ موسیٰ علیہ السلام کو حق کی طرف سے اپنی پہچان کا علم عطا کرنا اس نورانی جسم کے لیے روح کی حیثیت ہو اور اس کا جسم بلاءِ اعلیٰ سے ہو۔ اور روح و جسم کا باہمی اختلاط اس طرح ہو جائے کہ ان میں سے ہر ایک کی حالت کی نسبت دوسرے پر جسمِ اخروی کی طرح صادق ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس قول اَرِنِي اَنْظُرَ اِلَيْكَ دیکھو دکھائیے کہ میں تیری طرف دیکھوں، کا مطلب یہی ہے۔

یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نفسِ اولیٰ کے تصرفات کی معرفت کی وجہ سے صادر ہوئی، اور یہ تب ہوتا ہے جب اللہ کے پیاروں میں سے کسی ایک کی ہدایت کے لیے نفس کی طرف سے ارادہ اور اہتمام ہوتا ہے جیسا کہ ان کو آگ کی طرف شوق کے وقت تھا۔ لیکن شروع سے ہی موسیٰ علیہ السلام کو حق کی طرف توجہ عطا کی گئی تھی اور خلق میں حق کے ساتھ تصرف کرنا آپ کو نہ ملا تھا۔ اس لیے اس روز ان کی حدت مزاج کا خیال رکھتے ہوئے حق تعالیٰ نے آگ کی صورت میں تجلی فرمائی اور اس آگ نے ان کو نہیں جلایا۔ اور اگر حق تعالیٰ آج تجلی فرمائے تو وہ ایسی جلانے والی آگ سے تجلی ہوگی کہ جو شے بھی اسے چھوئے گی وہ شے جل جائے گی۔ کیوں کہ وہ تجلی تو حق کے آئینے میں موسیٰ علیہ السلام کی بہتی صورت تھی۔ (اس سے) حضرت موسیٰ علیہ السلام سمجھ گئے کہ اللہ جب حق کے آئینے میں کسی شے کے ذریعے تجلی کرتا ہے



تو اس شے کی صورت کے سوا اور کسی میں نہیں کرتا۔ پھر وہ شے حسب استعداد و حق  
 کی صورت کو لے آئی ہے۔ ایک پختہ اس علم سے ہرگز جاہل نہیں رہ سکتے، آپ کو  
 یہ معلوم نہ تھا کہ آج وہ ایسی حالت میں ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تجلی فرمائے گا تو ان کا ہم  
 تلف ہو جائے گا۔ دوسری طرف لوگوں پر اللہ کی رحمت چاہتی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام  
 باقی رہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم کیا اور پہاڑ پر اپنی تجلی فرمائی تو پہاڑ پھیل  
 گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے۔ جب ہوش میں آئے تو آپ پر سارا  
 راز کھل گیا اور آئندہ کے لیے اپنی استعداد کے نامناسب سوال سے توبہ فرمائی۔  
 موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ان سے وہی سوال کیا جو موسیٰ علیہ السلام نے کیا  
 تھا کہیں کہ نفس کلیہ کے مظاہر کی طرف آپ کو جو اشتیاق تھا، وہ ان کی قوم کے  
 دلوں میں منکس ہوا تھا۔ آخر حق تعالیٰ نے برق کی صورت میں تجلی فرمائی۔ اور ان سب  
 کو تلف کر دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمایا کہ ان کو زندہ کر دیا۔ اور  
 انہیں حکم دیا کہ ارض مقدس میں سکونت اختیار کریں۔ امید یہ زمین ان کو بطور جاگیر عنایت  
 فرمائی۔ جب کہ اس زمین پر جاہلوں کا قبضہ تھا۔ اس لیے بنی اسرائیل کو ان سے  
 جہاد کرنے کا حکم ملا۔ اور ان کو مدد نصرت کا وعدہ کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر  
 قبیلے پر ایک سردار مقرر کیا کہ وہ ان کے حالات سے باخبر ہو اور انہیں نیکی کا حکم  
 کرے اور برائی سے روکے۔ اور اس طرح قوم کے اخلاق و درجات ان کے سامنے  
 واضح ہو جائیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سرکشوں کی طرف  
 جاسوس بنا کر بھیجا اور ان کے حالات معلوم کرنے کے بعد صرف وہ شخصوں نے  
 تو ایسی خبر دی جس سے بنی اسرائیل کی شجاعت بڑھی، اور باقی لوگوں نے ایسی خبر



سنائی جس سے وہ کسبت (اور بزدلی) بن گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان دو پتھر کو  
کیا اور ان کو صدیق اور نائب بنایا اور باقی لوگوں سے سخت ناراض ہوا۔ اور ان کو  
تباہ کر دیا۔

جب جاسوسوں کی لائی ہوئی خبروں میں اختلاف ہوا تو بنی اسرائیل نے  
جابر لوگوں کے مقابلے میں بزدلی دکھائی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب کیا کہ  
ایک دفعہ تک انہیں تہہ دہسے صحرا میں حیران و پریشان رکھا کہ راستہ نہ پا سکے  
اور ان کا زور ادا ختم ہو گیا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پوری ہمت سے دعا کی  
دیہ دعا مستجاب ہوئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو موت اور سزا جیسا سزا عطا کیا۔  
جس کی تہہ ہر اسباب کے قبض اور بسط سے نرمائی۔ اور ان کے لیے سائے کے  
مشابہ ایک گاڑھا بادل مقرر کیا ہے بادل ان کو دھوپ سے بچاتا تھا۔ اور ستون  
کی طرح ان کے لیے آگ کو بھی بنایا، یہ آگ ان کو مشعلوں اور چراغوں کا کام دیتی  
تھی، اللہ تعالیٰ نے ان کے کپڑوں میں برکت دی کہ وہ نہ تو بیٹے ہوتے تھے اور نہ  
پھٹتے تھے۔ یہ سب بادل اور برق کے مائے میں تصرف کرنے سے ہوا تھا۔ اس  
کے لیے علوم طبیعی میں کئی نظائر موجود ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ابھم ہوتا تھا۔ پھر وہ ایسے پتھر کو مانتے جس میں  
پانی کے بہانے کی قزبی استعدا ہوتی۔ تو وہ پھٹ جاتا اور اس سے پانی جاری  
ہوتا اور اس کو قبائل کی تعداد کے مطابق بارہ چشمے بنا دیتے تھے۔

جابر لوگوں میں ایک شخص انبیاء کے علوم کو جانتا تھا۔ اور ان کی کتابیں اس نے  
باد کر کھینچیں۔ وہ شیطان کا مصلیح بن گیا اور دنیا کی طرف جھک گیا۔ اس نے اپنے



لوگوں سے کہا کہ جہاد عورتوں کو بنی اسرائیل کی طرف بھیج دو تاکہ ان میں فسق و فجور بڑھ جائے اور اس طرح ان سے برکت نکل جائے اور عنایت (اہلی) میں پراگندگی ہو۔ کیوں کہ حضرت یسویٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کی محبوبیت کی وجہ سے اگرچہ ان میں برکت تھی جو نصرت کی ممانعت تھی۔ لیکن بنی اسرائیل میں فسق و فجور کا غلبہ ہو گیا تھا۔ امدہ ان کی رسوائی کا سبب بنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بدکار عورتوں کے نکالنے کی توفیق عطا ہوئی۔ اس کے بعد انہوں نے جابر قوم سے قتال کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس ملک پر غلبہ دیا اور ان کو وہاں بسایا جہاں سے کوئی ان کو ان کے اعمال کی جزا کے سزا نکالنے والا نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سرزمین کا بادشاہ بنا دیا۔ وہ بڑے آرام اور آسودگی میں تھے اور موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے ان میں جمعیت پیدا کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کو تورات کی تعلیم دیتے تھے۔ اور حفظ کرتے تھے اور ان کو پاک کرتے تھے۔ ان کے اندر شرعی حدود کو قائم کرتے تھے اور ظالم سے مظلوم کی واپوری کرتے تھے۔ اللہ کا اپنے محبوب بندوں کے ساتھ یہی دستور رہا ہے۔ ان کے لیے دنیا کو آسان کرتا ہے۔ ان کو گفتار کے سچے اور لوگوں میں مقبول بناتا ہے۔ اگر کسی قوم نے اللہ پر نکل کیا اور بلا کسی تردد اور پریشانی کے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی تو اللہ ان کو اپنی طرف سے رزق عطا کرتا ہے۔ اور ان کی کھیتیوں، ماٹروں اور مکانات میں برکت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو جن علوم کی تعلیم دی تھی ان میں سے ایک علم کیمیا بھی تھا۔ تاریخ کو یہ خبر پہنچ گئی امدہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چچا زاد بھائی تھا۔ کیمیا کی وجہ سے وہ بڑا مالدار بن گیا۔ اس نے روپیا کے غرور میں، سرکشی



کی اور باغی بن گیا۔ وہ اقل و آخر کو بالکل محبول کیا۔ امدہ بھی فرعونوں میں ایک نر و نر  
 تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کو روکا۔ لیکن وہ نہ رکا۔ اٹا حضرت موسیٰ نے لُغْض  
 رکھنے لگا۔ اور ان کو زنا سے متہم کیا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی پدی بہت  
 سے اس کے حق میں بددعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اور اس کے گھر کو زمین میں دفنایا۔  
 اللہ کی نشانیوں میں سے یہ ایک بڑی نشانی تھی تاکہ لوگ جو ہیں کہ جو شخص اللہ  
 کے نبیوں سے تکبر کرتا ہے امدان سے لُغْض رکھتا ہے۔ وہ دنیاوی زندگی سے مطمئن  
 ہے اور اللہ کے حق کو بھلا دیتا ہے تو اس کے ساتھ کیا برتاؤ کیا جاتا ہے! اللہ تعالیٰ  
 عذاب کے اقسام میں سے اس قسم کو اختیار کرتا ہے جو اس دن اسباب طبعیہ کے  
 بہت قریب تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خیالی میں یہ تھا کہ میں سب لوگوں سے زیادہ علم  
 رکھتا ہوں۔ اس لیے انہوں نے مزید علم کی طلب میں توقف کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ  
 نے ایک ایسے واقعے کے ظاہر کرنے کا ارادہ فرمایا جو ان کو مزید علم کی طلب کے لیے  
 رغبت دلائے۔ جیسا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اسی امر پر اکتفا  
 کیا کہ فرمایا وَقُلْ رَبِّ زِدْنِي عِلْمًا اے میرے پروردگار! میرے علم کو بڑھا۔  
 یہ اس لیے ہوا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندے کے لیے رحمت کی صورت میں  
 تجلی کرتا ہے اور جن علوم کی تجلی تقاضا کرتی ہے وہ علوم اسی شخص کے پس منظر  
 ہوتے ہیں۔ تو وہ ان علوم کے سوا دوسرے علوم سے بے خبر ہو جاتا ہے۔ ان  
 دوسرے علوم کے اثبات یا انکار سے اس کا سروکار نہیں ہوتا۔ بلکہ مطلقاً ان کو  
 محبول جاتا ہے۔ اسی طرح اس کی آہستہ آہستہ ترقی جرتی رہتی ہے۔ جہاں تک  
 لے سکتا آیت ۱۱۱



اللہ چاہتا ہے اور محبوب کو اکثر پریشانی نہیں ہوتی اور نہ حد سے زیادہ شوق ہوتا

—

الغرض ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں لوگوں کو وہ تعلیم دینے لگے جو اللہ تعالیٰ نے ان کو دی تھی۔ آپ کی تقریر اتنی تڑپتی تھی کہ لوگوں کے دلوں پر چھا گئی۔ تب ایک شخص نے ان سے سوال کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام! آپ سے علم میں کوئی شخص زیادہ بھی ہے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے سے زیادہ کوئی عالم نہیں دیکھتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ ہمارا ایک بندہ حضرت تاجہ سے علم میں زیادہ ہے، یعنی خاص اوقات میں جو الہی تدبیر ہوتی ہے اس کے جلنے میں۔ اور جب اللہ کسی شے کی تدبیر کی تکمیل کا ارادہ کرتا ہے تو خدا کا جارجہ بن کر اس تدبیر کو برائے کار لانے میں وہ تاجہ سے زیادہ معلومات رکھتا ہے۔ جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام احکامِ کلّیہ اور عام لوگوں کے لیے جو شرائع مقرر ہیں ان میں اس سے زیادہ علم رکھتے تھے۔ اسی طرح وہین کی امامت

۱۱ امام بخاری نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ مجھ سے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے حدیث بیان کی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کہنے ہوتے سنا کہ ایک شخص موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو خطبہ دینے لگے تو ان سے یہ سوال کیا گیا کہ لوگوں میں کون سب سے زیادہ علم رکھتا ہے؟ حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں۔ اس پر اللہ نے ان پر عتاب فرمایا کیونکہ ان کو اس بارے میں خدا کی طرف رجوع کرنا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی کہ مجمع البحرین کے پاس میرا ایک بندہ ہے جو تاجہ سے زیادہ علم رکھتا ہے۔ یہ ایک طویل حدیث ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۶۸۷ - مجمع الصحاح الطالیع کراچی ۷)



میں اللہ کا جارح بننے میں بھی اس پر توفیق رکھتے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سوال کیا کہ اس سے کہیں کر ملاقات ہوگی؟ آپ کے دل میں یہ ڈالا گیا کہ اس کی طرف راستہ بتانے والی نمک لگی ہوئی مچھلی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ نہ معلوم ہو سکا کہ یہ مچھلی خضر کا پتہ کیسے بتائے گی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انعامیہ جو ان یروشع علیہ السلام دونوں خضر کی تلاش میں نکلے اور اپنے ساتھ زنبیل میں جوگی روٹیاں اور نمکین مچھلی کو لیا اور چل پڑے۔ چلتے چلتے جب ایک بڑے پتھر کے پاس پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سفر کی تسکان کی وجہ سے وہاں سو گئے اور یروشع علیہ السلام وضو کرنے بیٹھ گئے۔ (وضو کے) پانی کی بوند جو اس مچھلی پر پڑی تو وہ زندہ ہو گئی اور دریا میں گر پڑی اور جہاں سے وہ مچھلی دریا میں گئی وہاں ایک خشک راستہ ظاہر ہو گیا۔ یہ واقعہ اس لیے ظاہر ہوا کہ پانی میں جانوروں کے زندہ کرنے کی خاصیت موجود ہے۔ پانی کی اس خاصیت میں برکت پیدا کی گئی۔ اور اس طرح ان دونوں نے اس علامت سے خضر کو پایا۔

ان دونوں کا حال یہ ہے کہ حضرت خضر نے ان کو ان واقعات میں سے ایسے تین واقعے دکھائے جن کی تقریب کی تدبیر اللہ تعالیٰ سے ہوتی ہے یا مخلوق کی آل میں اصلاح ہوئی ہے۔ پھر اللہ اپنے بندوں میں سے کسی بندے کو فصل مطلوب پڑا کرنے میں اپنا جارح بناتا ہے۔ (حق بات یہ ہے کہ) شراعیع کا مدار احکام کلیہ اہل حکم کے موقع پر ہوتا ہے۔ اور تقریبات کا مدار جزئی مسالحتوں پر ہے۔ اور ہر فیصلہ وقت (اور حالات) کے موافق ہوتا ہے۔ یہ باتیں سب علموں سے ہار یک تریں۔ ان کو صرف وہی شخص جانتا ہے جو حق کا جارح بناتا ہے۔ پھر واقعہ کے بعینہ راز کو معلوم کر لیتا ہے۔



موسیٰ علیہ السلام کو کئی بار اس علم سے ذہول ہوا۔ مثلاً اس وقت جب انہوں نے رویت باری کا مطالبہ کیا اور اس وقت بھی جب تبطلی کے قتل سے توبہ کی۔ اور اس وقت جب حضرت آدم علیہ السلام سے حجت کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اگرچہ احکام شرعیہ میں دوسرے تمام لوگوں سے زیادہ علم رکھتے تھے، لیکن یہ اللہ کی حکمت تھی کہ انہیں اس جیسی بات دکھائے جو ان کے لیے واقع ہوئی تھی۔

پھر حضرت خضر نے اس خون سے کہ ظالم بادشاہ کشتی کو غصب نہ کر لے کشتی کا تختہ نکال لیا، اور اللہ تعالیٰ نے کشتی کو اس طرح ڈوبنے سے بچا لیا۔ کہ جب سورہ کشتی پر آتی تھی تو اس کی رفتار سخت تیز ہو جاتی تھی۔ اس طرح پانی کی سطح دیکھی۔

اسی طرح حضرت خضر نے ایک لڑکے کو قصاص کے بغیر اس لیے قتل کیا کہ وہ طبعاً کافر تھا۔ اگر وہ زندہ رہتا تو اس سے جنت کے احکام کفر وغیرہ صادر ہوتے اور اپنے کفر اور سرکشی کی وجہ سے اپنے ماں باپ کو تنگ کرتا، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو اس کا اچھا بدلہ دیا۔

(تیسرا واقعہ ہوا کہ حضرت خضر نے ایک دیوار کی اصلاح کر کے اس کو گرنے سے بچا لیا۔ اور یہ اس لیے کیا کہ اس کے نیچے اللہ کے ایک صالح بندے اور پیارے انسان نے مال چھپا رکھا تھا اس کی حفاظت ہو جائے یہ دیکھ کر اس کا وارث ایک یتیم بچہ تھا۔)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دور کا ایک بڑا واقعہ یہ (بھی) ہے کہ اللہ تعالیٰ

لہ یہ قصہ سورہ کہت میں آیت ۷۱ سے ۸۲ تک آیا ہے۔



نے ایک ایسے لڑکے پر جو اپنی ماں کا فرماں بردار تھا رحمت کرنی چاہی۔ کیوں کہ اس کے باپ نے اس کو اللہ کے حوالے کر دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی آقا کے لڑکپن سے کفالت کی بیان تک کہ وہ جوان ہوا تو اللہ نے ارادہ کیا کہ اس پر اپنی نعمت کرے۔ اور یہ بھی ارادہ کیا کہ جس نے اس کے قریبوں میں سے کسی کو مار ڈالا تھا، اس کو یہ جزائے کہ اس کو درخت نہ ملے۔ اور اس کی رسوائی ہو اور اس کو قصاص میں قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل پر رحمت کرنی چاہی تاکہ وہ یہ جان لیں کہ آخرت میں لوگوں کو نندہ کرنے کا جو وعدہ اللہ نے فرمایا ہے سہ حق ہے۔ اور یہ بھی جان لیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے جس چیز کا حکم دیا تھا، وہ بظاہر اگرچہ بعید ہے لیکن اس کی اطاعت ضروری ہے۔ کیوں کہ اس میں ایک ایسا راز ہے جو ابھی کشف نہیں ہوا۔ یہ بھی جان لیں کہ اللہ کے حکم کے معاملے میں تشدد اور گہرائی میں جانا بے ادبی ہے۔ ان عنایتوں سے اللہ تعالیٰ نے واقعہ معلومہ کو پورا کیا۔

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی رحمت کی طرف اٹھایا تو بنی اسرائیل کی خوب حفاظت فرمائی۔ ان میں انبیاء کو بھیجا۔ تاکہ وہ ان کو ڈرائیں۔ خوش خبری سنائیں۔

یہ واقعہ بنی اسرائیل میں سے ایک شخص کا ہے جس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ اور اس کا بھتیجا اس کا وارث تھا۔ اس نے اپنے چچا کو قتل کر کے وہ مرے شخص کے دروازے پر پھینک دیا۔ اور اس کے خلاف قتل کا دعویٰ بن گیا۔ اس پر دونوں فریقوں میں جھگڑا پیدا ہوا، قتل و خون ریزی کی نوبت قریب تھی۔ تب ایک شخص نے دونوں سے یہ کہا کہ تم کیوں جھگڑتے ہو۔ حالانکہ اللہ کے رسول تمہارے اندر موجود ہیں۔ تب وہ مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پہنچے اور انہیں سارا قصہ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو گائے کے بچ کا حکم فرمایا۔ وہ اس کو فاق سمجھنے لگے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۱۰۶۔ مطبوعہ مصرہ)



و عظمت نصیحت کریں۔ انہیں نیکی کا حکم کریں اور برائی سے روکیں۔ اس کا نام استطاعتِ مستقیمہ  
آسان بنانے والی قدرت ہے۔

ان میں سے کوئی بادشاہ ہوا جیسے یوشع علیہ السلام۔ کوئی عالم جیسے اشیاء،  
بیس، اور شمول علیہم السلام اور کوئی قومی ریاضت والا زاد جیسے الیاس علیہ السلام۔ یہ سب  
مصلحت کی اقتضا تھی۔ اور ہر وقت اقرب اور اسہل کے انتخاب کا خیال رکھا جاتا تھا۔  
جملہ انبیاء علیہم السلام باہم نبوعلات ہیں۔ یعنی ان سب کا باپ ایک ہے،  
جو کہ نبوت کی مناسب تربیت الہی سے عبارت ہے۔ اور ان کی مائیں الگ الگ ہیں  
اور یہ وہی اور کسی استعدادات کا نام ہے۔ بنی اسرائیل جب تک توریت کی اطاعت  
کرتے رہے اور اس کے احکام بجالاتے رہے، اللہ ان کو برکت عطا کرتا رہا اور جیب  
بھی انہوں نے احکام کی نافرمانی کی تو خدا نے ان سے انتقام لیا۔ اور جب ان پر کوئی  
آفت آتی تھی تو اس سے نکلنے کی تدبیر دیکھی، ان کے دلوں میں ڈال دی جاتی تھی اگر  
اس سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔ اس کا نام الہی سیاست ہے۔ واللہ اعلم بالصواب





# شمویل و داؤد و سلیمان و ایوس علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے توریت میں یہ خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل دو مرتبہ عذابہ حاصل کریں گے۔  
فساد و کفر برپا کریں گے اور ہر مرتبہ ان پر بڑی قوت و لیسے اور طاقت ور لوگوں کو بھیجا  
جائے گا۔ وہ ان کے گھروں میں گھس جائیں گے۔ جب پہلا وعدہ آ پہنچا تو انہوں  
نے توریت کے احکام کی نافرمانی کی۔ اور ان کو سزائیں کے لیے اللہ نے ان پر  
جالوت کو مسلط کیا۔ جس نے کچھ کو قتل اور قید کیا اور وہ صندوق جس میں آل موسیٰ و  
ہارون کی تبرکات تھیں چھین کر لے گیا۔ اس پر بنی اسرائیل عکس ہوئے اور توبہ کی۔  
اپنے نبی شمویل علیہ السلام کی طرف رجوع ہوئے اور ان سے ۶۰ دیوں کے لیے بادشاہ  
کی طلب کی، کیونکہ ان کو علم تھا کہ دشمن کی بڑی جمعیت کا مقابلہ تب ہی ممکن ہے  
جب سب کی رائے مجتمع ہو۔ اور ملکی انتظام کے لیے ایک شخص کی قیادت ہو۔ اللہ  
کی حکمت میں یہ ضروری تھا کہ جس سے چاہے کافروں کو دفع کرے۔ لیکن یہاں اس  
طور دفع کیا کہ مومنوں کے دل میں یہ خیال ڈالا کہ وہ جہاد کریں اور انہیں ثابت قدم رکھا  
اور حوصلہ بڑھایا۔ اور ان کے دشمنوں پر ان کو غالب رکھا۔ اور یہ نہایت قریبی تقرب  
اور تدبیر تھی اور یہ طبعی مصلحتوں کے بھی زیادہ موافق تھی۔ اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی



متعدد عنایات تھیں۔

ادل عنایت یہ تھی کہ جب طاقت بادشاہ ہوتے تو بنی اسرائیل نے اس میں یہ عیب نکالا کہ پہلے ملکی انتظام سے اس کا کوئی واسطہ نہ پڑا ہے اور نہ یہ مالک ہے تو شمول علیہ السلام پچھرنے ان کے اس اعتراض کو اس طرح دفع کیا کہ اللہ اپنی خلق میں تدبیر کے لیے جو اہام فرماتا ہے۔ اس کا اتباع ضروری ہے۔ یہ سمجھنا بھی ان کے لیے مفید نہ ہوا۔ تب اللہ نے ایک نشانی ظاہر فرمائی جس سے وہ مطمئن ہو گئے اور وہ یہ تھی کہ ان کے پاس وہ صندوق واپس آتے گا جس میں آل موسیٰ و ہارون کی تبرکات تھیں، جس کو ملائکہ اٹھاتے ہوئے تھے۔

اور یہ اس طرح ہوا کہ وہ لوگ باہمی اختلاف اور قحط جیسے مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ تب ملائکہ نے ان کے دلوں میں یہ خیال ڈال دیا کہ وہ صندوق کی وجہ سے ان مصائب میں مبتلا ہوئے ہیں۔ وہ اس صندوق کو ایک شہر سے دوسرے شہر تک ہٹاتے رہے۔ یہاں تک کہ اس کو بنی اسرائیل کے ملک کے منتقل پہنچا دیا۔ اب اس کو ایک گاڑی میں رکھ کر اس خیال سے بنی اسرائیل کی طرف بھیج دیا کہ وہ ان مصائب میں مبتلا ہو جائیں۔ فی الحقیقت ان کے لیے یہ ایک تقریب اور تدبیر تھی۔ جب ان کی کوشش کے بغیر ان کے پاس صندوق آ گیا تو یہ ان کے لیے دفع کی ایک علامت تھی۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے تبرکات کو دیکھ کر وہ مانوس ہو گئے اور ان کا خوف کا فور ہو گیا۔ اس ضمن میں ان کو اطمینان و آرام حاصل ہوا اور یہ تصدیق ہوئی کہ بادشاہ غیب سے مویدا اور مبارک ہے۔

۱۔ یہ قصہ قرآن مجید کی سورۃ لقہ آیت ۲۴۸ میں آیا ہے :



دوسری عنایت یہ تھی کہ طالوت کو اپنے لشکر کی حالت اور ان کی بہادری اور قوتِ قلبی کے معلوم کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی تاکہ ہر ایک پر اس کی قوت کے معائنہ اعتماد کرے۔ اس کے لیے کافی تجربہ اور وسیع وقت کی ضرورت تھی۔ طالوت جلد ہی میں تھے، اللہ تعالیٰ نے ایک بہ نظر طاہر کی۔ وہاں ان کی آزمائش ہوئی اور طالوت نے کراہیک چلو کے سوا پانی پینے سے منع کیا، اور یہ طاہر میں وثوق قوتِ قلبی اور طبیعت کے انقیاد کی علامت تھی۔ اور اس کی بھی کوئی علامت کے موافق خوفناک جگہوں میں گھسنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ خوفناک مرقعوں میں گھسنے سے سخت طور پر بہادری اور باوٹاہ کی اطاعت کا پایا جانا ضروری نہیں ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس حادثے میں برکت دی، اس لیے طالوت کے اس پانی نہ پینے والے حکم کی اطاعت صرف ان لوگوں نے کی جو کامل طور پر بہادری اور فرماں بردار تھے۔ اس طرح طالوت بہادری اور فرماں برداری کو پہچان گئے۔ اب جب وہ طالوت کے مقابلے کے لیے نکلے اور اس کے پاس ایک بڑا اور شاق و شوکت والا لشکر تھا تو صرف وہی اس کے مقابلے کے لیے ٹھہر سکے جن میں طالوت نے بہادری کو معلوم کیا تھا۔

تیسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضرت داؤد کو بنی اسرائیل میں صادق سمجھا جائے اور وہ ملک کے والی بنیں تو اللہ نے ایک پتھر کو اس طرح گویا کر دیا کہ جب حضرت داؤد اس کے پاس سے گزرے تو پتھر کی حقیقت ان پر کھل گئی۔ گویا کہ حضرت داؤد تیسری کی زبانی سن رہے ہیں کہ جالوت اس پتھر سے قتل ہو گا۔ اور دوسری طرف طالوت کے قلب کو مضطرب کیا کہ اس نے جالوت کے قاتل کے لیے یہ شرط لگا دی کہ جہاں کو قتل کرے گا اس کو آدھا ملک ملے گا اور طالوت اپنی بیٹی کا نکاح بھی



اس سے کرے گا۔ پھر اللہ نے حضرت داؤد کے دل کو شجاعت بخشی اور ان کے ہاتھ کو جس میں پتھر تھا، جالوت کے نتھنوں کے مقابل کیا اور پھر ہوا کو حکم دیا کہ پتھر کو اس کے نتھنوں تک پہنچائے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جالوت کو ہلاک کیا اور اس نے بنی اسرائیل کی مدد، کافروں کو دفع کرنے، داؤد علیہ السلام کی نشان کو بلند کرنے اور ان کو بادشاہ بنانے کا جو ارادہ فرمایا، اس کو پورا کر دیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام ایک بہادر اور طاقت ور انسان تھے اور ملکی سیاست کے ماہر تھے۔ اس لیے خدا نے ان کو ملک میں خلیفہ بنایا اور انہیں امامت عطا کی اور بنی اسرائیل کی قیادت ان کے ہاتھ میں دی۔ اور ان کا بنی اسرائیل پر حق قائم کیا اور ملاء اعلیٰ میں یہ لکھا کہ اگر وہ داؤد کی نافرمانی کریں گے تو وہ اللہ کے نافرمان ہوں گے اور اگر وہ داؤد کی اطاعت کریں گے تو یہ اللہ کی اطاعت ہوگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان میں ابھی طرح حکومت کی۔ ان کے اندر شرعی حدود جاری کیں۔ کافروں سے جہاد کیا۔ مشکل معاملوں کے فیصلے کیے۔ اللہ کے احکام کو رائج کیا اور بنی اسرائیل کے مختلف قبائل میں باہمی الفت پیدا کی

حضرت داؤد علیہ السلام کا عبادت کرنے اور اللہ کے سامنے عجز ظاہر کرنے کا اچھا طریقہ تھا۔ اللہ نے ان پر زبور نازل کی۔ جس کے ایک سو پچاس حصے تھے۔ اور ہر ایک حصہ دعاء، عاجزی اور دنیا و آخرت میں طلبِ خیر پر مشتمل تھا اور اس میں اللہ سے پناہ مانگنے کی دعائیں تھیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں کاریگری تھی۔ ان کو زرہ بنانے کا الہام ہوا۔ یہ خدا کی طرف سے ان پر رحمت تھی۔ تاکہ وہ کشادہ رزق والے ہوں اور لوگوں کے



لیے بھی اس میں بھلائی تھی کہ ان کو خوف سے محفوظ رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر کلام الہی پڑھنے کو آسان کر دیا تھا۔ وہ تھوڑی مدت میں اتنا پڑھ جاتے تھے کہ دوسرا اس مدت میں نہیں پڑھ سکتا تھا۔ اس کی صورت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان اور قوت خیالیہ میں برکت دی تھی۔ اس لیے وہ معمولی ساعت میں ہر لفظ کو واضح طور پر خیال میں لاتے تھے اور اس کے موافق تیزی سے تلفظ بھی فرماتے تھے۔ خدا نے ان کو اچھی آواز دی تھی جس سے لوگوں اور چوپایوں دونوں پر اس کا اثر ہوتا تھا اور پہاڑوں کو بھی اس کا مریع کیا تھا کہ جب حضرت داؤد علیہ السلام پڑھتے تھے تو وہ صبح و شام اس کا جواب دیتے تھے۔ اس کی یہ صورت تھی کہ گلاب میں جیب بولا جائے تو اس کا جواب مل جاتا ہے، اسی طرح پہاڑوں سے بھی آواز آتی تھی۔ پھر اس میں برکت ہوتی اور اس سے لفظ نکلتے تھے۔

اس کی حقیقت یہ ہے کہ قوی بمت والا نفس جیب کسی کیفیت سے پڑ ہو جاتا ہے تو اس سے قریب نفوس اور طبائع میں بھی اس کی کیفیت سرایت کرتی ہے اور جب وہ کسی پتھر یا درخت سے وقت کے مقتضا کے موافق کوئی معرفت سنتا ہے تو اس کی قوت دوسرے لوگوں میں بھی سرایت کرتی ہے اور پھر وہ بھی اسی طرح سنتے ہیں۔ جس طرح اس نے سنا تھا۔

داؤد علیہ السلام کی آواز اچھی تھی۔ اور وہ تالیفی طبیعت کے مالک تھے۔ خدا کی طرف سے اس میں برکت ہوئی اور ہر سانس میں طبیعت ایتاعی رکھتے تھے۔ ان اناس

۱۔ طبیعت تالیفیہ سے مراد آوازوں کو باہم ملا کر ان میں ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت ہے۔  
۲۔ طبیعت ایتاعی۔ سر ملا کر گانا ایتاع ہے۔



میں بھی برکت ہوئی۔ تو ایک لذیذ تریح و حید میں آگئی۔ اسی کا نام مزامیر داؤد علیہ السلام ہے۔  
 حضرت داؤد علیہ السلام کے عجیب واقعات تھے۔ ایک یہ کہ جب ان کی ایک  
 خوبصورت عورت پر نگاہ پڑی تو آپ نے اسے بے حد پسند کیا۔ اور وہ بڑی قوت  
 باہ و لے انسان اور اپنے مزاج کی قوت کی وجہ سے عورتوں کو محبوب رکھنے والے تھے۔  
 انہوں نے اس عورت کے نکاح میں نامناسب رویہ اختیار کیا۔ شریعت نے جو  
 اس کے لیے حد بنائی تھی اس کی رعایت نہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر ان کو اس طرح  
 تنبیہ کی کہ ملائکہ کو مدعی اور مدعا علیہ کی صورت میں مخصوم بنا کر بھیجا۔ ایک نے کہا کہ یہ  
 میرا بھائی ہے۔ جس کے پاس ننانوے بھیریں ہیں اور میرے پاس صرف ایک بھیر  
 ہے۔ وہ کہتا ہے کہ یہ بھی مجھے دے دو۔ مات کرنے میں مجھ پر غالب آتا ہے۔  
 حضرت داؤد نے جو کام خود کیا تھا وہ عالم مثال میں متحمل ہو کر ان کے سامنے آ گیا۔  
 اس پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوا۔ داؤد علیہ السلام سمجھ گئے کہ یہ ایک خواب تھا۔ جس کی  
 تعبیر انہیں تنبیہ کرنا ہے جو ان سے نامناسب واقعہ سرزور ہوا۔ پھر اللہ سے مغفرت  
 مانگی اور اس کی طرف رجوع کیا اور کفارے دیئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں  
 معاف کیا۔

۱۰ تریح: براگ کو حلق میں دہرانا۔ ۲۳ سورۃ ص ۲۳

۱۱ شریف امام نے حضرت داؤد علیہ السلام کے قصے میں بعض تفسیروں کی موافقت کی ہے  
 اصل واقعہ اس کے خلاف ہے۔

ہماری استاد علامہ عبید اللہ سندھی فرماتے تھے کہ عبد قلیق میں حضرت داؤد اور حضرت  
 سلیمان علیہما السلام سے یہود نے کچھ ایسی باتیں منسوب کی ہیں جو ہندوؤں کی کتابوں کے افوازل

(باقی اگلے صفحہ پر)



حضرت داؤد علیہ السلام کا دوسرا عجیب واقعہ یہ ہے کہ جب ایک رات وہ

(بقیہ گذشتہ حاشیہ) سے زیادہ فحش ہیں۔ حضرت استاد فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد کے اس قصے میں میرا ایک خصوصی فکر ہے۔ جس کو میں نے کسی سے نہیں لیا۔ یہ صرف خدا کی طرف سے فہم ہے جو مجھے عنایت ہوا اور میری اپنی کوشش ہے۔ اس کو اس طرح سمجھنا چاہیے۔ کہ حکومت کے مختلف درجے ہوتے ہیں۔ شاہ شہید نے ان کو اپنی تالیف 'منصب امانت' میں ذکر کیا ہے۔ میں ان میں سے یہاں صرف اسلامی حکومت کے اندر جو دو درجے ہیں ان کو نقل کرتا ہوں (۱) ایک درجہ خلافت راشدہ ہے۔ جس کی سیرت اور صورت اس عقل تازہ پر ہے جو اہل امانت کے ہاتھوں کتاب کریم میں معروف ہے۔ اس درجے میں مال کا جمع ہونا لوگوں کی تحقیر کرنا اور کسی کو غلام بنانا نہیں ہوتا (۲) یہ دوسرا دور خلافت کے بعد کا وہ ہے اس میں پہلے دور کے آثار ایک ایک ہو کر کم ہوتے جاتے ہیں اور اس کا بڑا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مسکینوں سے ٹیکسوں وغیرہ کے ذریعے مال لے کر ایک قوم (سرایہ وادوں) کو دوسری قوم (عوام) پر فوقیت دی جاتی ہے۔ اس میں سرایہ وادوں سے گرفت نہیں کی جاتی۔ ابتدا میں تو یہ معمولی بات نظر آتی ہے اور لوگوں کو دکھانی نہیں دیتی لیکن اس کا انجام بڑا ظالم ہوتا ہے جو سب کو دیکھنے میں آتا ہے۔

مخصوصہ والی مثال کا مقصد خلافت کے ان دو درجوں کا فرق بتانا تھا، یہ ایک ایسی حکیمانہ مثال ہے جس میں بڑے فوائد پنہاں ہیں۔ یہ سیرا بھاتی ہے اس کے پاس ننانوے بھیریں ہیں اور میرے پاس ایک بھیر ہے۔ یہ بادشاہ اور رعیت کے ایک فرق کی مثال ہے۔ رعیت کے ایک فرد کے مال و دولت کی نسبت بادشاہ کے سرایہ سے وہی ہے جو ایک کو ننانوے سے ہے۔ بادشاہ اپنی توت کے بل بوتے پر اس ایک حصے کو بھی

(باقی اگلے صفحہ پر)



ذکرِ الہی کرے۔ تھے تو ان پر یہ انکشاف ہوا کہ بیت المقدس پر ملائکہ اتر رہے ہیں۔  
 حالانکہ وہ جالوت کے دور میں منہدم ہو چکا تھا اور اس کا کوئی نام و نشان بھی باقی نہ تھا۔  
 بیت المقدس میں بھی وہی عظیم راز تجلی گاہ ہونا اپہاں تھا۔ جیسا کہ بیت الحرام میں  
 تھا اللہ تعالیٰ نے ان کے رہنے کے لیے بیت المقدس کی جگہ کو معین کیا جیسے  
 حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے کیا تھا۔ لیکن حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ  
 کی راہ میں بڑا جہاد کیا اور آپ کے صحیفے میں یہ لکھا ہوا تھا کہ وہ (جالوت) رب تعالیٰ  
 کی کئی دشمنوں اور بنیادیں گرا چکا ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ حضرت داؤد علیہ السلام  
 کی اس تعمیر میں انتقام اور غضب کی آمیزش ہوتی اور یہ کام خدمت کے طور پر نہ ہو سکتا  
 تھا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہوئے اور یہ سوال کیا کہ اس کو اس کی نیکیوں میں

ابقہ عاشرہ گزشتہ پھینکا چاہتا ہے۔ یہ ایک واضح مثال تھی جس سے حضرت داؤد علیہ السلام  
 کو متنبہ ہوا اور مجھ گئے کہ یہ ایک بڑا ظلم ہے اور یہ اس دور میں ہوا جب آپ خلیفہ نہ تھے۔  
 بادشاہوں کے نظام کے مطابق ملکی نظام چلاتے تھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام اس مثال  
 سے سمجھ گئے کہ یہ ہماری آزمائش ہے۔ انہوں نے اپنے رب سے مغفرت چاہی اور کوع میں  
 چلے گئے۔ اور خدا کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام  
 کو یہ خیال نہ تھا کہ لوگوں کی ضرورت کے لیے اگر ان سے حکومت مال لے گی تو اس سے ظلم  
 واقع ہو گا۔ بعد میں ان کو حکم ہوا اسے داؤد بہم سے تجھے ملک میں خلافت عطا کی ہے تو گویا  
 میں حق و انصاف سے فیصلہ کر۔ نفسانی خواہش کا اتباع نہ کر بیہاں ہری اور نفسانی خواہش  
 سے مراد ہے آخرت سے محروم ہو کر صرف دنیا میں انسان کی لذت دہلی چیزوں کی طرف نفس کا  
 اٹل ہونا۔ کتاب حروف ادائل السور عربی تالیف علامہ مولیٰ جبار اللہ ص ۱۰۰ (طبع مہجور پال)



سے ایک نیکی بناوے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دور میں لوگوں نے سینچر کے دن کا احترام چھوڑ رکھا تھا، حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو شریعت نازل ہوئی، اس میں سینچر کے احترام کا تاکید ہی حکم تھا۔ حضرت داؤد کے دور میں لوگ سینچر کے دن (پھلیاں پکڑتے تھے) اس حکم کی خلاف ورزی کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کی صورتوں کو مسخ کر کے بندر بنا دیا۔ صورت یہ ہوئی کہ اس نے مچھلی کو فساد المزاج اور بدبودار طبیعت کا بنا دیا۔ جب وہ اس کو کھاتے تھے تو یہ فساد مزاج ان میں بھی سرایت کر گیا اور ان کے ابدان بگڑ گئے۔ اس سے پہلے خوراک سے جو جسم یا روح انسانی پیدا ہوتی تھی، اس کی پیدائش میں تبدیلی آگئی۔ یہ تبدیلی بڑھتے بڑھتے تکمیل کو پہنچ گئی۔ تب ان کے بدنوں پر بندروں کی طرح بال نکل آئے۔ اور اللہ نے ان پر توبہ اور رسوائی کو مسلط کیا اور وہ بندر بن گئے۔ یہ عذاب ان کی استعداد کو بہت قریب تھا۔ اس لیے وہ اس عذاب میں گرفتار ہوئے۔ اور یہ عذاب اس قریہ کے آگے چھپے والے لوگوں کے لیے عبرت کا باعث بن گیا۔

۱۰۔ شاہ صاحبؒ نے اپنی دوسری تالیف تفسیرات الہیہ میں ان لوگوں کی صورتیں بدلنے کی حقیقت اس طرح بیان فرمائی ہے۔ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ان کی توبہ کے جن لوگوں نے سینچر کے حکم کی خلاف ورزی کی تھی، ان کا یہ برا عمل ان کے صحیفوں میں ثبت تھا اور وہ اپنے ذلت کے اعمال اور برے اخلاق میں بندروں سے مشابہت رکھتے تھے۔ تو بندروں کی صورت ان کے چہروں پر آگئی اور اس میں کوئی عجیب بات نہیں۔ کیونکہ شکل و صورت ایک عرض و وجہ رکھتی ہے۔ اس لیے وہ دوسرے پر بھی پڑ سکتی ہے (دیکھئے تفسیرات الہیہ جلد ۲ ص ۱۵۲)۔



آپ کا تیسرا بڑا واقعہ یہ ہے کہ آپ نے اللہ تعالیٰ سے ایسا فرزند عطا کرنے کا سوال کیا۔ جو ان کے بعد ان کا جانشین ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور ان کو سلیمان علیہ السلام عطا کیا۔ جو بڑے پاک باز، دیندار، حکیم، اچھے اخلاق والے اور نیکو کار تھے۔ وہ در بڑے ہو کر مشکل معاملوں کے فیصلے کرنے میں اپنے باپ، داؤد علیہ السلام کے شریک کار ہو گئے۔ وہ خصوصی واقعات میں امنانی اور وقتی بھلائی کو جلد ہی معلوم کر لیتے تھے اور اسی کے موافق فیصلے کرتے۔

ایک مرتبہ ہوا یہ کہ ایک رات ایک قوم کی بکریاں دوسری قوم کا کھیت چر گئیں۔ وہ لوگ اپنی من پادے کر داؤد علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے وہی فیصلہ دیا۔ جو اتلاف کی صورت میں ان کی شریعت میں رائج تھا۔ اور اس فیصلے میں بکریوں والوں کو خصوصی نقصان پہنچنا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس خاص واقعے میں خیر نسبی (اور وقتی بھلائی) سمجھا دی جس کے موافق انہوں نے فیصلہ دیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے اکثر فیصلے اسی طرز کے ہوتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ارتفاق و دم اور سوم کا علم (بھی) عطا کیا۔ چنانچہ داؤد علیہ السلام نے ان کو اپنی قوم میں جانشین مقرر کیا۔ حضرت سلیمان کو پرندوں کی بولی کا فہم بھی عطا ہوا تھا۔

اس کی تحقیق یہ ہے کہ پرندوں اور بہائم کو جب کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو خدا کی طرف سے ان پر علوم عادیہ کا الہام ہوتا ہے اور کبھی اللہ تعالیٰ کسی ایسی

ملکہ پر واقعہ قرآن مجید کی سورۃ انبیاء کی آیات ۷۷، ۷۸، ۷۹ میں مذکور ہے وہاں دیکھیں۔



چیز کا ارادہ فرماتا ہے۔ جس میں جو پاؤں کے لیے بھلائی ہوتی ہے جیسے کسی تکلیف اور محنت سے چھڑانا یا کسی بھلائی اور نفع کو حاصل کرنا۔ تو اس وقت اس جانور کے دل میں کسی چیز کا علم الہام فرماتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کچھ رکھانا چاہتا ہے تو ایک پرندے کو بھیج دیتا ہے اور اس کے دل میں الہام ہوتا ہے۔ اور خدا اس بندے کو پرندے کے ذریعے تسلیم دیتا ہے۔ جیسے ہندو کے قصے میں سہرا۔

(جاننا چاہیے کہ پرندوں کی مختلف آوازیں ہوتی ہیں۔ جو ان کے مختلف حالات کی نشان دہی کرتی ہیں۔ جیسے غضب بے قراری، گھبراہٹ، جھتی کی خواہش اور محبوب۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کو ان علوم کا اکثر حصہ سکھا دیا تھا۔ اور اکثر اوقات بعض عارفوں کو بھی ایسے علوم عطا ہوتے ہیں۔ ان امور کے لیے چند جزئی اسباب ہیں جو ضبط اور انحصار میں نہیں آسکتے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے ہوا اور جنوں کو مسخر کیا تھا۔ اس کو یوں سمجھنا چاہیے کہ ہوا، آگ اور دوسری چیزوں کے بننے اور موجود ہونے میں عنصر اول پانی میں حق تعالیٰ کی قیومیت کی تاثیر سبب بنتی ہے۔ کبھی قیومیت کی تاثیر سے ایک چیز ہوا بن جاتی ہے اور دوسری قیومیت سے پانی ہو جاتی ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کریں۔

کامل بندے کو کبھی بعض قیومیوں سے مناسبت ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان کو ہوا اور آگ کی قیومیت سے مناسبت تھی اور ان کے اندر تسخیر شے کی ہمت

۱۰ سورۃ انبیاء کی آیت ۸۱ کو دیکھیں



قوی تھی۔ اس مناسبت کی وجہ سے ہمت میں اور اضافہ ہوا تو انہوں نے شیاطین کو تابعدار بنا لیا۔ وہ ان کے لیے بڑے بڑے محراب اور محبسے بناتے تھے اور دریا میں غوطے لگاتے تھے۔ اور اس کے سوا اور بہت کام کرتے تھے حضرت سلیمانؑ تخت پر بیٹھ کر ہوا کو اس تخت کے اٹھانے کا حکم کرتے تو ہوا ان کو ڈال لے جاتی، جہاں وہ چاہتے تھے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے عجیب واقعات ہیں، ایک یہ کہ ایک دن ان کے سامنے گھوڑے لائے گئے اور وہ ان کی پسندیدگی میں اتنے محو ہو گئے کہ ان کی عبادت کا وقت بھی ان سے فوت ہو گیا۔ اس پر آپ کو سخت غصہ آیا اور اس جوش میں گھوڑوں کو قتل یا زخمی کر دیا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف سے رٹنے اور جہاد کرنے کے جو احکامات صادر ہوتے تھے ان میں اپنے امیروں کی سُستی اور ٹال مٹول کو دیکھ کر آپ کے دل کو تکلیف ہوتی۔ چنانچہ آپ نے یہ آرزو کی کہ اپنی بیہویوں سے صحبت کریں۔ اور ان میں ہر ایک سے ایک ایک ایسا شہسوار پیدا ہو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے۔ اس معاملے میں انہوں نے صرف اسباب کو دیکھا اور اس کو خدا کی طرف تفویض کرنا اور اس سے مدد مانگنا بھول گئے۔ حالانکہ عارف اسباب کی طرف دیکھنے سے پہلے اللہ سے مدد مانگتا ہے۔ اور اس میں اللہ کی تدبیر کے جاری و ساری ہونے کو دیکھ لیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پر اس طرح تبلیغ فرمائی کہ کسی بھی بی بی سے کوئی بچہ پیدا نہ ہو کیوں کہ ان کا لطف رفیق ہو گیا۔ جماع کی کثرت نہواہش اس کا باعث

یہ نص قرآن مقدس کی سورۃ ص آیت ۳۱-۳۳ میں وارد ہوا ہے۔



نبی۔ اس لیے اس ماٹے سے ایک ناقص خلقت کے سوا کوئی بھی پوری صورت نہ  
 بن سکی۔ اور اس جسم غیر مستوی کو ان کے تخت پر ڈال دیا گیا۔ اس واقعے سے وہ اصل  
 حقیقت کو سمجھ گئے۔ اللہ تعالیٰ سے توبہ کی۔ اس سے حکومت میں مدد چاہی اور  
 یوں کہا۔ کہ یا اللہ مجھے بخش دے اور ایسا ملک عطا فرما جو میرے بعد کسی کے  
 لیے نہ ہو۔

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ ان کا وادی النمل پر گزر ہوا اور آپ ہوا پر سوار تھے۔  
 وہاں ایک چیونٹی نے اور چیونٹیوں سے کہا کہ اپنے گھروں میں گھس جاؤ۔ ایسا نہ  
 ہو کہ سلیمان اور ان کا لشکر تمہیں روند ڈالے۔ اس چیونٹی نے اپنے علم کے موافق  
 احتیاط سے کام لیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اسے سن لیا۔ اور اس کی بات  
 کو سمجھ گئے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ کہ انہیں جانوروں کی بولی کی سمجھ عطا  
 ہوتی ہے۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز انہوں نے پرندوں کا جائزہ لیا تو ہڈی کو غیر جان  
 پایا۔ اس پر ہڈی کو سخت دھمکایا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک عجیب علم کی تعلیم فرمائی۔  
 اس میں ہڈی پر بھی رحمت تھی کہ وہ سزا کی دھمکی سے بچ جانے۔ اور سلیمان علیہ السلام  
 کی بھی بھلائی تھی کہ بلقیس کی حکومت ان کے ہاتھ آ جائے۔ اور بلقیس اور اس کی  
 قوم پر بھی احسان تھا کہ وہ ایمان لے آئیں۔ اس دن حکمت کا تقاضا یہ تھا کہ حضرت  
 سلیمان کو ہڈی کی زبانی بلقیس کی ساری حقیقت معلوم ہو جائے اور ہڈی نے یہ اشارہ  
 کیا کہ بلقیس کا فرسے۔ اور اس کو مال اور جمال کا دافعہ نصیب عطا ہو۔ اسے بہر حال

۱۸-۱۹ میں یہ قصہ آیا ہے :



اس واقعے میں جتنی بھی پوشیدہ عنایتیں تھیں۔ ان سب سے ان کو آگاہ کیا۔  
 پانچواں واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کے تخت کو احکامِ ناسوتیہ (اس  
 دنیا کے اثرات سے) خالی کر کے انہیں عالمِ مثال کی شے بنا دیا۔ پھر حضرت سلیمان  
 علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک نیک شخص کی دعا کی برکت سے اس جگہ سے  
 ناسوت (اس دنیا کی چیز) بیاں پہنایا، حضرت سلیمانؑ اس عورت سے نکاح  
 کا ارادہ رکھتے تھے۔ انہوں نے بلقیس کے عقل و جمال کو پرکھنے کے لیے ایک  
 حیلہ سے کام لیا کہ اس کے تخت کو بدل دیا۔ بلقیس نے اسے پہچان لیا۔ حضرت  
 سلیمانؑ نے اس کی (خوبصورت) پنڈلی کو دیکھ لیا اور آپ نے یہ دیکھ لیا۔ کہ وہ  
 بڑی خوب صورت عورت ہے۔

آلِ رَاوَد میں ہمیشہ حکومت رہی۔ جب دنیا کے بادشاہوں میں سے کوئی بادشاہ  
 ان پر غلبہ حاصل کرتا تھا تو اللہ ان کے انبیاء کو مستح و نصرت کے وعدے  
 کی وحی فرماتا اور ان کی مدد کے لئے ایک عجیب تقریب بہم کرتا۔ کبھی ان کے  
 سامنے سخت ہوا چلتی اور ان کے تیر بنی اسرائیل کو نہ پہنچتے۔ کبھی ایسا ہوتا کہ  
 جب دشمن لڑنے کو آئے تو ان پر گرمی اور پامیس کو مسلط کیا جاتا۔ وہ ہلاک ہو جاتے  
 اور بزول بن جاتے۔ اور کبھی ان کے اندر باہمی دشمنی اور عداوت کی آگ کو بھڑکاتا

۱۔ توفع علام لے حضرت سلیمان اور بلقیس کے قصے کو دوسرے مفسروں کے بیان  
 کے مطابق ذکر فرمایا ہے۔ اور اس کی بنیاد اکثر اسرائیلی روایتوں پر ہے۔ اگر اس کی تحقیق  
 چاہتے ہو تو مجھے اسناد علام علیہ السلام کی تفسیر کی طرف رجوع کریں۔ یا ہمارے  
 دوسرے بزرگ استاد مولانا شبیر احمد عثمانی کے قرآنی تعلیقات کو دیکھیں۔



اور وہ آپس میں لڑ پڑتے دینی امرائیل پنج ہلتے تھے کئی صدیوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔

اس کے بعد نینو مقام کی ایک قوم راہِ اعتدال سے بیٹ گئی اور انہوں نے لغارت کا علم ملیند کیا۔ خدا کی حکمت نے چاہا کہ اس دور کے بنی اشعیا علیہ السلام کو اس باغی قوم کے ڈرانے کے لیے حکم کرے۔ اگرچہ یہ انداز اپنے پیروکاروں میں کسی ایک شخص کے ذریعے کیوں نہ ہو۔ اشعیا علیہ السلام نے اس کام کے لیے یونس علیہ السلام کو بھیجا اور ان کو منتخب کرنے کی وجہ یہ تھی کہ یونس علیہ السلام کا وجود اللہ تعالیٰ کی بخشش اور ان کی عنایت سے تھا۔ کیوں کہ ان کے ماں باپ کے بوڑھے ہونے کے بعد ہی بطور خلافت عادت یونس علیہ السلام کی پیدائش ہوئی تھی۔ پھر اس عنایتِ الہی نے ان کو گھیر لیا اور ان کے بچپن ہی سے اللہ تعالیٰ ان کی تربیت کا اس طرح کفیل ہوا کہ چار پاروں اور وحشی جانوروں کو ان کے دودھ پلانے کا بذریعہ اہام حکم دیا۔ اور جب وہ بڑے ہوتے تو ان کی شادی کا بھی اس طرح انتظام فرمایا کہ انہیں خواب میں دکھایا کہ وہ ایک دوسرے شخص کی بیٹی کو پیغام دے رہے ہیں اور اس دوسرے شخص کے دل میں یہ خیال ڈالی دیا کہ وہ اپنی بیٹی کو یونس علیہ السلام سے بیاہ دے (اس طرح ان کی شادی بھی ہو گئی۔)

خلاصہ یہ کہ حضرت یونس علیہ السلام کی روح میں عنایتِ الہی پر مشیدہ تھی۔ اس لیے اشعیا علیہ السلام نے ان کو پیغام کے لیے منتخب کیا۔ حضرت یونس نے جابر لوگوں کے مقابلے سے کمزوری دکھائی اور نبی کے حکم کو عقلمندی سے



نہیں لیکن طبعی کراہت سے ناپسندیدہ سمجھا۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ ان کے نفس نے ایک غلیظ رنگ (اور نامناسب کیفیت) کو حاصل کیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سے مواخذہ کیا۔ ان کی بی بی راستے میں گم ہو گئی۔ اور ان کے ایک بیٹے کو پانی کی موج بہا لے گئی اور دوسرے کو بھڑیا کھا گیا۔ اس سے وہ نمکین ہوئے۔ اور توبہ کی اور آرام پرستی کو چھوڑ کر دعوت و تبلیغ کی تکالیف پر قائم ہو گئے۔

جب وہ اس قوم کے پاس پہنچے تو ان کو توحید کی طرف بلا یا۔ انہوں نے آپ کو جھٹلایا۔ قید میں رکھا اور اذیتیں پہنچائیں۔ تب حضرت یونس نے اپنی پوری کوشش کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی۔ لیکن اس قوم کی ہلاکت و بربادی کا وقت ابھی نہ ہوا تھا۔ کیوں کہ اللہ کسی قوم کو ہلاک کرنے پر اس وقت راضی ہوتا ہے۔ جب وہ ہر طرح سے ملعون ہو جائے (یہ ان کے لیے ابتدائی ڈرانا تھا)۔ تب آپ کے نفس کو ایک ایسی کیفیت لاحق ہوئی، جو قتلِ ناحق کے مشابہ ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اس حالت میں نزل کی اور ہلاکت ملتوی ہو گئی (اس میں) آپ کے لیے بہت سے واقعات ہیں:

ایک واقعہ یہ ہے کہ جب قوم یونس نے خدا کو دیکھا تو اللہ سے توبہ کی اور سب نے مل کر خدا کی بارگاہ میں عاجزی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور عذاب کو ان سے ہٹا دیا۔ اس پر شیطان نے یونس علیہ السلام کے دل میں یہ دوسو سو ڈال دیا کہ قوم نے ان کو جھٹلایا ہے۔ اور انہوں نے ان کے ایذا کا پختہ ارادہ کیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام اللہ کی طرف رجوع کیے بغیر ان سے ڈر کر وہاں سے بھاگ گئے (یہ آپ کے شایانِ شان واقعہ کیونکہ کامل



لوگوں کے لیے یہی مناسب ہوتا ہے کہ اپنے سبب کا ہم اللہ کو سونپ دیں۔ اور وہ اس وقت اسباب کی تلاش کرتے ہیں جب تدبیر الہی کو ان میں کام کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ جب یونس علیہ السلام بھاگ گئے تو ان کے نفس نے ایک دوسری ہدیت حاصل کی۔ کشتی میں سوار ہوئے تو دریا کی موجوں میں سبجان ہوا قرعہ پڑا۔ تو ان کے نام پر نکلا۔ دریا میں گرے تو پھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی تسبیح کہی۔ اور گناہ سے بیزار ہوئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اور رحمت الہیہ ان پر لوٹ آئی۔ پھلی نے آپ کو چیل میا۔ ان میں ڈال دیا۔ اور یہ سقیم (اور عاجز) تھے۔ ان پر کدو کی بیل پیدا ہوئی۔ یہ اس سے ہوا کہ وہ کدو کے پتوں میں رہیں اور ان کو مکھی نہ ستائے۔ اور سرائی جانوروں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو دودھ پلائیں جس کی صورت یہ تھی کہ وحشی جانوروں کے اندر یہ خیال ڈال دیا کہ یہ ان کا بچہ ہے۔ اس لئے ان کے سینوں میں رحم نے جوش مارا جیسے اپنے بچے پر ہوتا ہے۔ اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے سب کاموں کا قبیل ہوا۔ یہاں تک کہ وہ قوی اور تندرست ہو گئے۔ اس کے بعد کدو سوکھ گیا۔ اور وہ ہرنی (جو آپ کو دودھ پلاتی تھی) وہ بھی چلی گئی۔ ان دونوں پر ان کو غم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف یہ وحی کی کہ اے یونس! کدو پر توراہ تارے، جس کو تو نے پانی نہیں پلایا۔ اور ہرنی (کے جانے) پر بھی تو گریہ کرتا ہے جس کو تو نے کچھ نہیں کھلایا۔ دوسری طرف ایک لاکھ یا اس سے زیادہ لوگوں کی تباہی کا تجھے خیال نہ آیا۔ آپ کے نفس نے جن نامناسب باتوں کا ارتکاب کیا تھا اس وحی میں ان



پر آپ کو ظاہر کیا گیا تھا۔ کیونکہ جب پاک نفس کسی نامناسب ہیئت کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کے لئے یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ اس ہیئت کو سمجھ لے۔ اور یہ بھی جان لے کہ یہ ہیئت اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسندیدہ ہے۔ پھر اس سے یہ اطلاع خواب سے ہوتی ہے یا کسی خارجی واقعہ کے ذریعے سے۔ اور وہ بھی خواب کی مانند ہوتا ہے۔ یا وحی کے ذریعے سے ان کو مطلع کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ عالم برزخ میں طبیعت کے سکون کے وقت سب نفسوں کو اطلاع ہو جاتی ہے۔

پھر حضرت یونس علیہ السلام کا ایک ایسی قوم پر گزر ہوا۔ جو اپنے پھلوں کو چین کر زمین پر پھینک رہی تھی۔ حضرت یونس نے (یہ دیکھ کر) ان سے کہا کہ تم لوگ اپنے پھلوں کو کیوں خراب کر رہے ہو۔ کچھ عقل سے کام لو۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو وحی کی کہ اے یونس! تم کو ان کے پھلوں پر تو ترس آیا۔ اور ایک لاکھ یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں پر ترس نہ آیا۔ پھر ایک شخص نے آپ کی مہمانی کی۔ اور وہ کہہ رہا تھا۔ مٹی کے برتن بنا تا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس کو وحی کی کہ وہ کہہ کر کو اپنے برتن توڑنے کا حکم دیں۔ انہوں نے جب کہہ کر سے کہا۔ تو وہ (بگڑ گیا اور) ان کو برا بھلا کہنے لگا اور کہا تو دلوانہ معلوم ہوتا ہے۔ حضرت یونس جو اپنی قوم کی ہلاکت چاہتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے انہیں ان کی تباہی دیں۔ پھر انہوں نے ایک شخص کی کھیتی کے لئے اللہ سے دعا مانگی۔ اللہ تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی۔ اور اس کی کھیتی کو توبہ آگایا اور شاداب کیا۔ لیکن اس کے بعد اس کو پھر مریبا دیا۔ اس پر ان کو رنج ہوا۔ یہ بھی انہیں اللہ تعالیٰ نے (سمجھانے کے لئے) ایک مثال دی اس کو دیکھ کر انہوں نے اللہ کے حضور عاجزی کی۔ اور توبہ کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی۔ پہلے کی طرح ان کی کفالت کی۔ ان کی بیوی کو ٹویا



اور ان کو سو دینا رعایت کئے۔ ان کو ان کی اولاد بھی مل گئی۔ ان کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا۔ ان پر نشانیاں ظاہر کیں۔ اور ان کو اپنی قوم میں سچا بنایا۔

یہ سب اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ آئینہ کی طرح ہے۔ جیسا کہ اس نے فرمایا کہ یہ تمہارے اعمال ہیں جن کو میں تمہارے لئے محفوظ کرتا ہوں۔ اگر کسی نے نیک رنگ اختیار کیا تو اس کو اچھا بدلہ ملے گا۔ اور جو برے رنگ پر قائم ہوا۔ اس کو بری سزا ملے گی۔ اور سب انسانوں کے دل رحمن کے ہاتھ میں ہیں۔ جب وہ کسی بندے کو عذاب دینا چاہتا ہے تو لوگوں کے دلوں کو اس شخص کی ایذا رسانی کے پھیر دیتا ہے۔ اور جب کسی بڑے پر نعمت کرنا چاہتا ہے تو لوگوں کو اس شخص کو فائدہ پہنچانے کی طرف موڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ہمیشہ متل ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کے حق میں جو سب کو چھوڑ کر اللہ کے لئے ہو جاتے ہیں۔ اور خدا جن کی خصوصی تربیت کا کفیل ہو جاتا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی ایسے ہی (خدا پرست) لوگوں میں

تھے۔





## زکریا، مریم، یحییٰ اور عیسیٰ علیہم السلام

بی بی آمنہ ایک بانجھ عورت تھیں۔ اور عمر رسیدہ ہو گئی تھیں۔ انہوں نے ایک کبوتری اپنے بچوں کو دانا کھاتے ہوئے دیکھی تو انہیں بھی بچے کا اشتیاق ہوا۔ وہ رو پڑیں۔ پھر اللہ کے حضور میں عاجزی کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس مشاہدے اور سہمت میں برکت فرمائی۔ اور ان کے بانجھ پن کو ختم کر دیا۔ اور ان کی جوانی کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ یہ اس طرح ہے جیسے اطباء کہا کرتے ہیں کہ حیوانات کو بحالتِ جنسی دیکھنے سے انسان کی نسلی قوتوں میں جان آجاتی ہے۔ اور اس طرح ایک نامرد بھی مرد بن جاتا ہے۔ بی بی آمنہ نے بھی جب کبوتری کو اپنے بچوں کو دانا کھلاتے ہوئے دیکھا تو ان کو بچہ یاد آگیا۔ اور اس کی طرف ان کو پورا میلان اور شوق پیدا ہوا۔ (اس کا یہ فائدہ ہوا کہ) ان کی نرابی کی اصلاح ہو گئی۔

پھر ان کے دل میں لہکے کی رغبت پیدا ہوئی۔ اور ان کی قوتِ متخیلہ، ارادے کی پختگی اور امید کی درستی نے پیٹ کے بچے (جنین) میں اثر کیا۔ تو وہ برکت والی بی بی مریم ہو گئیں جو مرد کا مزاج رکھتی تھیں۔ وہ بڑے لوگوں کی طرح طاقتور، کامل مزاج اور صحیح فطرت اور نظافت کی مالک تھیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ مردوں میں بہت سے لوگ کامل گزرے ہیں۔ حدیث کے آخر تک اسے وہ مرد عورت کے اچھے صفیہ کے حاشیہ پر



تھیں یعنی بغا سہوہ عورت تھیں۔ لیکن ان میں مردوں جیسی صفات موجود تھیں۔ یہ اس لئے  
 تھا کہ ان کی ذات میں اللہ کی طرف توجہ اور اس سے امید باندھنے کی صفت پوشیدہ  
 تھی۔ اور اس پر ان کی ہمت مجتمع تھی۔ یہاں تک کہ یہ ہمت ان کی قوتِ مسطورہ میں نفوذ کر  
 گئی تھی۔

جب حزن کے یاں لڑکی پیدا ہوئی تو اللہ کے حضور میں انہوں نے اپنے شدید غم  
 کا اظہار کیا۔ کیونکہ (بیت المقدس میں) اللہ کی عبادت کے لئے صرف لڑکیوں کو ہی رکھا جاتا  
 تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے حضرت مریم کو قبول کر لیا۔ کیونکہ وہ برکت والی اور  
 مردانہ وار عورت تھی۔ خدا نے زکریا علیہ السلام اور (بیت المقدس کے) دوسرے  
 مجاوروں کے دل میں بی بی مریم کو قبول کرنے کی بات الہام فرمائی۔ اگرچہ یہ بات ان کے  
 دستور کے خلاف تھی۔

بی بی مریم پر اللہ تعالیٰ کی عنایتوں میں سے ایک عنایت یہ تھی کہ حضرت زکریا علیہ  
 السلام کو ہی ان کا قبیل بنا دیا۔ کیونکہ وہ نبی عالم اور بی بی مریم پر شفیق تھے۔ اور ان کی بیوی  
 حضرت مریم کی خالہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے (بیت المقدس کے) خادموں اور عالموں کے دل میں  
 یہ ڈال دیا کہ حضرت مریم کو اپنے پاس رکھنے کے سلسلہ میں نہر میں قرعہ ڈال کر فیصلہ کریں۔  
 اور ہر ایک یہ خیال کرتا تھا کہ ان کے نام پر قرعہ نکلے گا۔ اور اس میں حضرت زکریا علیہ السلام

ما شیء من کلمۃ عندنا الا نعلمہ من قبل ان یصل الیہا من عندنا۔ اور عالتشہ کی قضیت عورتوں پر ان سے کسی شریک کی قضیت  
 دوسرے طعن پر اس حدیث کو بخاری، مسلم، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت ابو موسیٰ سے روایت کیا ہے۔  
 یہ فقہ قرآن مجید کی سورۃ آل عمران ۶۷ - ۶۸ آیات میں آیا ہے۔



کے لئے حق کے ظہور کی ایک تقریب تھی۔

حضرت مریم پر اللہ کی دوسری عنایت یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نشانہوں کو ظاہر فرمایا۔ اور کسی عنصری سبب کے بغیر کلمہ کن کہنے سے ان کے لئے میوے پیدا کیے جس طرح جنت میں جناتیوں کے لئے پیدا کرے گا۔ ذکر یا علیہ السلام اللہ کے عارف اور مخلوق میں اس کی سنت کو جاننے والے تھے۔ انہوں نے ان دنوں میں روحانی قوتوں کے عجیب ظہور کو محسوس کیا تھا۔ اور اس کو بھی جان گئے تھے کہ آج تکوین کسی عنصری سبب پر موقوف نہیں ہے جس طرح آدم علیہ السلام کی پیدائش کے دنوں میں تھا۔ تب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بیٹے کے لئے دعا کی کہ وہ ان کے بعد ان کا جانشین ہو۔ ان کے علم کو قائم رکھے لوگوں کو اللہ کی عبادت کی طرف بلائے۔ کیونکہ ان کو اپنے چچا زاد بھائیوں سے بڑھ کر تھا کہ وہ اس دنیا کی عزت اور آبرو کو اختیار کریں گے۔ تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے۔ اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ تب حضرت زکریا علیہ السلام نے کمال رغبت سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبول فرمایا۔ ان کو جو لک کر دیا۔ اور ان کی بیوی کے بانجھ پن کو دور کیا۔ تو حضرت یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، جو حکیم اور اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔ اور عورتوں سے دور رہتے تھے۔ اس کی یہ وجہ ہے کہ ہر وہ فرد جس کے موجود ہونے میں ارضی اسباب کو کم دخل ہوتا ہے۔ اس میں حیوانی اخلاق کے لحاظ سے شے پایا جاتا ہے۔ اور وہ دنیا کے منافع سے محروم ہوتا ہے۔ اگرچہ وہ الہی عبادات کے لحاظ سے کتنا ہی برکت والا کیوں نہ ہو۔ حضرت یحییٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کا زہد اور گناہی کو دوست رکھنا۔ اور دنیاوی ارباستوں سے منہ پھیرنا اور پناہ مانگنا بھی اسی قسم سے ہے۔ کیونکہ انسانی کمالات نفس میں اس قدر ظاہر ہوتے ہیں جس قدر روح اپنی جبلت کے لحاظ سے ان کے لئے آمادہ ہو۔ کوئی انسان ذکی ہوتا ہے



تو اس کا کمال علمت اور علم کی بچھا ہے۔ اور کچھ انسانوں میں عدالت اور سیاست ان کی استعداد ہوتی ہے۔ وہ اللہ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ تو اللہ ان کو حکومت عطا کرتا ہے۔

حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنے مہتر بیٹے کے ساتھ بیوی کے حاملہ ہونے کی نشانی طلب کی۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر یہ وحی کی کہ مین دن تک کسی سے کوئی بات نہ کریں۔ یہ اس لئے ہوا کہ جب حق کی عنایت اور ملا اعلیٰ کی محبتیں عالم ناسوت میں آئیں۔ اور اس کی طرف متوجہ ہوئیں تو اس وقت ایک ملکی ہیئت نے ان کے نفس کو گھیر لیا۔ اور وہ کسی محقق اشارے کے سوا کسی سے بات نہ کر سکے۔

پھر حضرت مریم کو اس جگہ روحانی قوتوں کے ساری و جاری ہونے کے زمانے میں ماہواری کے دن آئے۔ جب ان سے پاک ہوئیں۔ تو لوگوں سے دور ایک انگ مکان میں غسل کرنے کے لئے گئیں۔ اور پردہ ڈال کر کپڑے آمارے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف ایک کامل خلقت جو ان کی صورت میں جبریل کو بھیجا جو جوانی اور خوبصورتی سے بھرا ہوا تھا۔ حضرت مریم نے ان کو دیکھا۔ اور خود بھی جوان اور قوی مزاج والی تھیں۔ ان کو اپنے نفس پر فساد کا ڈر لاحق ہوا۔ اور دل سے اللہ کے حضور میں دعا کی کہ ان کی عصمت پر کوئی حرف نہ آئے۔ پھر ان کو ایک عجیب حالت پیش آئی۔ طبیعت میں قوائے نسلیہ کا ہیجان ہوا۔ اور اس سے وہ (لذت کی کیفیت پیدا ہوئی جو جماع کے وقت ہوتی ہے۔ جیسے کبھی کسی کو دیکھنے سے انزال ہو جاتا ہے۔ نفس کو اللہ تعالیٰ

۱۔ یہ قصہ سورہ آل عمران کی آیت ۴۲ میں ہے۔

۲۔ یہ قصہ قرآن مجید کی سورہ مریم کی آیت ۱۶ سے ۲۳ تک آیا ہے۔



سے التجا تھی۔ اور اسی کے ساتھ تمسک تھا۔ یہاں تک کہ وہ غیب سے خالص ہونے والی پاک دامنی کی حالت سے مالا مال ہو گئیں۔ صورت انسانیت کی یہ حالت تھی کہ وہ الروح الامین کے احتلاط سے عنقریب ظاہر ہونے والی تھی۔

جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ان سے کہا کہ میں تو تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ تمہیں دونوں ایک مقررہ وقت پر ملے گا۔ تو حضرت مریم خوش اور مانوس ہو گئیں۔ حضرت جبریل نے جب ان کو اس حال میں دیکھا تو ان کے منہ میں پھونک ماری۔ اس پھونک سے ان میں تاثر ہوا اور ان کو انزال ہو گیا۔ حضرت مریم کے نطفے میں مرد کے نطفے جیسی قوت تھی۔ اس لئے وہ حاملہ ہو گئیں۔ اور جو بات سیدہ مریم میں تھی وہ سب اس نے چھپے میں آگئی جیسے اللہ سے تمسک کرنا۔ اسی کی طرف التجا کرنا۔ اور ملکی ہیئت سے خوش ہونا۔ کیونکہ حضرت مریم کی حالت ان کے نفس کی بہت قوت مصورہ اور مددہ تک میں سرایت کر گئی تھی۔ اور بات یہ ہے جو اطباء کہتے ہیں کہ جو شخص چاہے کہ اس کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو جماع کے وقت لڑکے کا تصور کرے۔ حضرت جبریل کی پھونک سے اس لڑکے میں عالم مثال کا حکم اور روح کے خواص آگئے تھے۔ کیونکہ صورت بننے کا سبب وہی تھا۔ اس سے حضرت مسیح کی جنائت میں جبریل کے مشابہ ایک لڑکے کا پیدا ہوا۔ اور حضرت مسیح کی روح القدس کے ساتھ تائید کا یہی مقصد ہے۔ جب حضرت مریم کے یہاں بچہ پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نشانیوں ظاہر کیں ان میں سے ایک نشانی یہ تھی کہ انہوں نے اپنے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ حضرت مریم کے لڑکے کو کمالات عطا کرے گا۔ اور سیدہ مریم نے اپنے بیٹے کے حالات اور سب کمالات اجمالی طور پر بیان لئے، رکھیں۔ جوانی اور پیری نے

سورہ مریم، آیت ۱۹



دوسری نشانی یہ تھی کہ حضرت مریم نے ایک سوکھی ہوئی کھجور کی پناہ لی چنانچہ اُس میں زندگی کی لہر دوڑ گئی۔ وہ سرسبز ہو گئی اور چند ساعتوں کے اندر وہ پھل لے آئی۔ اور خدانے وہاں پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

تیسری نشانی یہ تھی کہ جب سیتاہ مریم پر زنا کی تہمت لگی تو خدانے اُن کے بچے کو ایسے وقت میں بولنے کی توفیق دی جس میں بچے نہیں بولتے اور اس طرح اُن کے اس الزام کی مدافعت کی۔

کیونکہ اس بچے میں قوتِ روحی تھی اور جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام جوان ہوئے تو خدا کی طرف سے اُن کو علم، کتاب اور حکمت عطا ہوئی۔ اس میں کسی تعظیم کو دخل نہ تھا۔ اُن پر نشانیوں کا ظاہر ہوئیں۔ لوگ جو کچھ کھاتے اور گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے وہ سب ان کو تباہ تھے۔ وہ مٹی سے پرندے کی شکل کا پرندہ بناتے۔ پھر اُس میں پھونکتے تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا۔ حضرت مسیح کے مٹی میں پھونکنے کے ساتھ اس میں زندگی آ جاتی تھی۔ پس یہ معاملہ دو باتوں پر منحصر تھا۔ حضرت مسیح کا زور سے پھونک مارنا۔ اور اس کا زندہ ہونا۔ اس کے بعد وہ جانور گر کر مردہ ہو جاتا۔

حضرت مسیح اللہ کے اذن سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ یہ نفسِ بدن سے وہمی تعلق رکھتا تھا۔ اور یہ حقیقی زندگی کا تعلق نہ تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اُس وہمی تعلق میں اللہ کی طرف سے برکت ہوتی۔ اور اس سے اُس پر زندگی کا عکس پڑتا۔ تو مردہ زندہ ہو جاتا۔ پھر جب عیسیٰ علیہ السلام جلا ہوتے تو وہ اسی وقت مرجاتا۔

عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں بڑی گنجائش اور آسانی تھی۔ کچھ ایسی چیزیں جو اُن کے لئے حرام تھیں، وہ اُن کے لئے حلال کر دی گئی تھیں۔ اس لئے کہ تکلیف وہ احکام اس



وقت اترتے ہیں جب ملکیت کا بہیمیت سے تصادم ہوتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تو گویا  
 زمین پر چلنے والے فرشتے تھے۔ اس لئے یہود نے ان پر زندیق ہونے کی تہمت باندھی اور  
 ان کے قتل پر جمع ہو گئے۔ انہوں نے ایک تدبیر کی۔ اور اللہ نے بھی ایک تدبیر کی اور اللہ  
 سب سے اچھا تدبیر کرنے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ایک منجلی صورت بنائی۔ اور اس کو آسمان کی طرف اٹھایا اور  
 ان کے پیروں یا دشمن کے کسی شخص کو ان جیسا بنا دیا تو وہ عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں  
 قتل ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے پیروں کو دشمن پر مدد دی اور دشمن پر غالب آئے۔





## نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے وہ اصول جو ان علوم کی تاویل اور تعبیر کے مزاج ہوتے ہیں۔ بہت سے امور ہیں!

ایک یہ کہ ملا اعلیٰ (مقدس ملائکہ) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ایک فطری مناسبت تھی۔ بسبب اس کے کہ آپ کا نفس ناطقہ بلند تھا۔ اور آپ کا وہ مزاج جس کا تعلق نسمہ یا روح طیبی ہے ہوتا ہے، کامل و معتدل تھا۔ اور اچھے اخلاق کا مستوی تھا۔ اور ان کا اجتماع اتفاق اور یک جہتی پر تھا۔ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ ملا اعلیٰ کی طرف سے آپ کے قلب مبارک میں دائمی تائید ہوتی رہے۔ اور یہ تائید کبھی اس طرح ظاہر ہوتی تھی کہ ملا اعلیٰ آپ کو دکھائی دیتے تھے۔ کبھی آپ سے باتیں کرتے تھے۔ اور آپ کے دل میں الہام کرتے تھے۔ اور کبھی آپ ان کو خواب میں دیکھتے تھے۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک بہادر انسان ہے، جو اپنی شجاعت میں کامل ہے۔ اس کی یہ شجاعت اسے تھوڑی سی بات پر دشمن سے مقابلہ کرنے، جنگ میں کود پڑنے اور

---

سے مطلب یہ ہے کہ آپ کا نفس ناطقہ کے مقتضی کے متصادم نہ تھا۔ ان دونوں کے تقاضا

میں اتفاق تھا۔



مار دھاڑ کرنے پر مبدوم ابھارتی رہتی ہے۔ ہر مخلوق اپنے آثار سے یہی نسبت رکھتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ جب آپؐ اپنی بیداری اور نیند میں ملا اعلیٰ کی تائید کے لئے فارغ ہوتے اور منتظر رہتے تھے۔ تو ملا اعلیٰ کی طرف سے ان اسباب کے موافق جنہوں نے آپؐ کو گھیر رکھا تھا، اللہ کی مشیت کے مطابق تائید کا فیضان ہوتا رہتا۔

(آپؐ کے اور ملا اعلیٰ کے درمیان) اس تعلق اور ربط کی بنا پر آنحضرتؐ کی ہمت ملا اعلیٰ کی طرف متوجہ تھی۔ اور ہر وقت ان کی برکتوں نے آپؐ کو احاطہ کر رکھا تھا۔ یہ وقت آپؐ کے جہاد وغیرہ میں مشغول ہونے کے ہوں۔ یا مسجد میں اعتکاف کے۔ اس تعلق کی بنا پر آپؐ کے اکثر معجزے برکت کے تھے۔ کھانے پینے وغیرہ سب میں برکت ہوتی تھی۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نفس جو ملا اعلیٰ کی تائید کے لئے شمال یا تصویر کی حیثیت رکھتا ہے، جب اپنی پوری ہمت سے کسی چیز کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو ملا اعلیٰ کی ہمتوں کی طرف سے فراخ راہ کھل جاتی ہے۔ اور ملا اعلیٰ کی ہمتیں عالم موالید (حیوانات، نباتات اور جمادات) کو الہام، احالہ اور تقرب کے ساتھ مستخر کرتی رہتی ہیں۔ پس اگر وہ (ملا اعلیٰ کے ملائکہ) آگ کے ظہور کا ارادہ کرتے ہیں۔ اور موالید میں اس کے لئے کوئی سبب نہیں ہوتا۔ یا کوئی ایسا کمزور سبب ہوتا ہے، جو آگ کے پیدا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ تو ملا اعلیٰ کی ہمتیں آگ کے پیدا ہونے کو واجب کر دیتی ہیں۔ اسی پر الہامات کو قیاس کریں۔

اسی شخصیت کے باعث آپؐ کا سینہ شوق ہوا اور اس میں حکمت اور ایمان بھرا گیا۔ آپؐ کو بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ پھر آسمانوں تک اور اس کے بعد جہاں اللہ نے چاہا، آپؐ کو سیر کرائی گئی۔ آپؐ نے انبیاء علیہم السلام کی ارواح دیکھیں۔ اور ملائکہ کو ان کی



اپنی صورتوں اور اشکال میں دیکھا۔ اور انسانِ اعظم کے دل پر جو حق کی تجلی پڑتی ہے، آپ وہاں تک پہنچے۔ اور وہاں سب سے اچھی صورت میں ظہور فرمایا۔

دوم یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اس استعداد سے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی تھی، ملا اعلیٰ سے ہندیب نفس کے عالم کو حاصل کرنے کے مستحق تھے۔ اور یہ اس لیے کہ آپ نفسِ عالیہ، روحِ کامل اور مزاجِ متوازن کے حامل تھے۔ ہوایہ کہ آپ نے چار اخلاق کو جن پر نیکی کی تمام قسموں کا دار و مدار ہے۔ اور ان کی ارض و تمام برائیاں ہیں، اپنے نفس میں پایا۔ اور ان کی ارض واد سے آپ کو اذیت محسوس ہوئی جس طرح کوئی انسان بھوک اور پیاس کو محسوس کرتا ہے تو وہ کھانے اور پینے کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اور ان کے نہ ملنے سے اُسے تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ پھر آپ سے خود بخود ان اخلاق کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جیسے مردِ شجاع نے بہادری کے آثار خود بخود نمایاں ہوتے ہیں لموجب کی فطرت میں عدالت ہو، اُس سے سیاستِ مدن اور تدبیر منزل جیسے آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول کا یہی مقصد ہے جو اُس نے فرمایا۔

وَ اَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ

ترجمہ :- اور ہم نے ان کی طرف اچھے کام کرنے کی وحی کی۔

پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان امور میں تامل کیا جو اُس زمانے میں نیکی اور گناہ کے کام تھے۔ اور آپ نے جان لیا کہ دونوں اقسام کا مصدر ہتھیات نفسانیہ ہیں۔ اور نفس کے تزکیہ اور آلودگی میں دونوں موثر ہیں۔ آپ نے یہ بھی معلوم کیا کہ حالتِ مطلوبہ میں نیک کام کیوں کر زیادہ ہوتے ہیں۔ اور اس کی ضد میں گناہ کے کام کس طرح بڑھتے ہیں۔ آپ نے ہر عمل کے موقع اور ہر شے

لئے انسانِ اعظم سے مراد نوعِ انسان کا امام ہے۔ اسی طرح عالمِ بالا میں ہر نوعِ مخلوق کا ایک امام ہوتا ہے۔ جسے فلسفہ یونان میں رب النوع کہا جاتا ہے۔ وہ امام اپنے نوع کے افراد کی ایک مثالی شکل ہوتا ہے



کا وزن معلوم کیا۔ پھر یہ بھی معلوم کیا کہ اس دنیا کے اعمال موت کے بعد کیسے خیر اور شر کے متقاضی ہوتے ہیں۔ پھر یہ معلوم کیا کہ اچھے اعمال کو کیسے کیا جاتا ہے۔ اور بُرے کاموں سے کس طرح اجتناب کیا جاتا ہے۔ اور اس کو معلوم کیا کہ اعمال کے آداب اور ان کے کمالات اور دعا کی کیا ہیں۔ یہ سب علوم نفس کے آئینے میں تامل کرنے سے بطور وجدان اور قیاس کے ظاہر ہوئے۔

ایک اُن میں سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسی سمجھ عطا فرمائی تھی جس سے آپ ارتفاقاتِ باہمی معیشت کے اصول کو جانتے تھے۔ جیسے آدابِ معیشت، تدبیر منزل، باہمی معاملات، سیاستِ مدن اور امت و قوم کی سیاست آپ نے وہ مصالحتیں جان لیں جن کا قوم خیر ال رکھتی ہے۔ نیچ اور ستقیم کو معلوم کیا۔ اور اس کو بھی جان لیا جو ان آراءِ کلیہ کے لائق ہے جو حق تعالیٰ کی طرف اترتی ہیں۔ اور آراءِ جزئیہ کو بھی معلوم کیا جو کہ نفوس کے خطرات، سرداروں اور بادشاہ کے ظلم وغیرہ سے پیدا ہوتی ہے۔

اس کی مثال ایک فقیر کی ہے جو اپنے مشائخ کے مسائل میں تامل کرتا ہے۔ پھر ہر ایک شے کی وجہ معلوم کر لیتا ہے۔ اور جن امورِ کلیہ (قواعد) کو انہوں نے تلاش کیا تھا، اُن کو بھی جانتا ہے۔ اور صحیح کو فاسد سے تمیز کرتا ہے۔ یا جیسے عادل حکیم بادشاہ ہو جو گزشتہ بادشاہوں کے رسوم اور عادات کو جانتا ہے۔ ان مصالحتوں کا بھی اُس کو علم ہے۔ بن کی پچھلے بادشاہوں نے تلاش کی تھی۔ اور ذرائع اور دعا کی کو بھی جانتا ہے۔ پھر ایک شے کو اس کے وسائل کے روکنے سے روک دیتا ہے۔ اگر تم بادشاہوں کی تاریخ میں غور کرو گے تو تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ایک بادشاہ نے بھاؤ سستا



کرنے کا ارادہ کیا تو اس کو پہلے یہ غور کرنا ہو گا کہ گرانی کا سبب زراعت کی کمی ہے یا تاجروں کی قلت۔ اس کے بعد اس نے گرانی کے سبب دور کرنے کی کوشش کی۔ اور اس کو مطلوب حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ یا کسی حاکم نے ارادہ کیا کہ کسی قوم کے شر سے وہ امن میں رہے۔ تو ان کو حکم دیا کہ گھوڑوں پر سوار نہ ہوں۔ اور ہتھیار نہ باندھیں۔ یا اس خیال سے کہ اس کے اعوان و مددگار اس کے سر نہ ہوں، اس نے حکم دیا کہ وہ آپس میں ہاتھی نہ کریں۔ اور بادشاہ کی اجازت کے بغیر آپس میں ملاقات نہ کریں۔ اس کے مانند اور بھی بے شمار باتیں ہیں اسی طرح سیاست کی مصلحتوں کا اخذ کرنا اور سمجھنا ہوتا ہے۔

اور ان میں سے یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لطف کرنے کا ارادہ کیا کہ اپنی رحمت کا ایسا پتھر جاری کرے جس پر عرب و عجم کے سب لوگ وارد ہوں۔ اور وہاں نہ ہلکے پیاس سے نجات پا کر سیراب ہوں۔ یہ اس لئے کہ عرب و عجم ان فاسد رسومات کے پابند تھے جو اچھے ارتقاات کی منافی تھیں۔ دین کی باتوں سے پیٹھ پھیرے ہوئے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سے ان باتوں میں زیادہ جاہل تھے۔ جن سے ان کو تہذیبِ نفس حاصل ہوتی۔ یہ لوگ آخرت کی یاد سے بڑے بے خبر تھے۔ اللہ کے جلال اور اس کی توحید سے غافل تھے۔ بتوں اور شیطانوں کے پجاری تھے۔ کمزوروں پر بڑا ظلم کرتے تھے۔ قطع رحمی ان میں زیادہ تھی۔ اس حالت میں خدا کا ان پر یہ لطف تھا کہ انہیں ان کی بُری باتوں پر تہذیب کی جائے۔ اور انہیں حق کا راستہ دکھایا جائے۔ اور ان کو سیدھے راستے پر چلایا جائے۔ چاہے وہ مانیں یا انکار کریں۔ یہ لطف اس کی تدبیر کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ اور تدبیر صفتِ خلق کی بقایا اور اس کے بعد کی ہے۔ اور خلق ابداع کے بقایا سے ہے۔



اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نفسِ کلیہ کو پیدا کیا تو اس کو بہت سے احوال کے لیے سواری بنایا۔ اس لیے کبھی وہ اللسان ہوتا ہے۔ کبھی گھوڑا۔ کبھی پتھر وغیرہ۔ ان امور میں نفسِ کلیہ کا قوت سے فعل کی طرف نکالنا نظمِ طبیعی پر ہے۔ اور یہ نیر سے عبارت ہے جو نفسِ کلیہ کے راع کے بقایا (اور لوازمات میں) سے ہے جس جوڑے نفسِ کلیہ کے ابداع اور پیدا نش کی خواہش کی تھی۔ اس کا مقتضی ہے پھر جب عالم اپنی تفصیل سے وجود میں آگیا اور مخلوق کی ہر نوع اور شخص کو ایسی صورت عطا ہوئی جو اس کے مخصوص آثار کی مقتضی تھی۔ اس کو اس کے آثار سے روکنا خیر نہ تھا۔ اور نہ ان حوادث کا ظاہر ہونا خیر تھا۔ جو اچھے نظام کے منافی تھے۔ تو ضروری ہوا کہ ارضی اسباب میں بیجان ہو اور البسی تھو پلاست (دلتیریات) وجود میں آجائیں، جو اشیاء کو اچھے نظام کے قریب لے آئیں۔ اور اس طرح مخلوق پیدا نش کی تکمیل و تمیم ہوتی ہے۔ ان تینوں میں جو ذاتی کی مثال اس طرح ہے جس طرح کوئی سیلاب زمین پر آجائے۔ جب کوئی سدا اور لپٹنے اس کی نزاحت کرے تو پانی اس کے سوراخوں میں گھس جائے۔ اور پھر کسی سوراخ سے منڈت شکل کی صورت میں نکلنا ہے کسی سے مزاج اور کسی سے گول دائرہ کی شکل میں پھر اس پانی کو ایک دوسری دیوار روک دے جو پہلی سے زیادہ مضبوط اور محکم ہو۔ تو اس وقت نئی اور لطیف ترین زمین اور ہوا کے مسامات میں نفوذ کرے گی۔ تو اس طرح پانی کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ

خلاصہ کلام یہ کہ اللہ کا ذکر اور ارادہ ملا اعلیٰ میں متشکل ہوا۔ اور اس نے ایک مثالی شخص کی صورت اختیار کی جس کو ہم نبی الانبیاء کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ اور یہ شعائر الہیہ کی مال اور بنیاد ہے۔ وہاں سے زمین پر اللہ کی رحمت کے قطرے چمکنے لگے۔ اور ہر دروازہ پر زلزلے میں ہوا بید کے مسامات سے لطیف و عنایت سے کچھ شے پھوٹ نکلی اور یہ سلسلہ



ان زمانوں اور ان دعووں میں جو مخصوص واقعہ ہوتا تھا اعلان کے موافق تھا بعض زبان میں اس کا ترشح اور پکنا بنی آدم کے قلوب پر تھا۔ اور ایسے انسانوں کو رسل اور انبیاء کہا جاتا ہے۔ پھر یہ امر تمام نہ ہوتا تھا جب تک نظام زمین میں ایسا مادہ پایا جائے جس میں یہ صلاحیت ہو کہ وہ صورت اس میں منطبع ہو سکے۔ جیسے آئینہ میں انسان کی صورت منطبع ہوتی ہے۔ تو جس آدمی کی صورت یہاں منطبع ہے۔ وہ ارادہ ہے جو ملا اعلیٰ میں متماثل ہے۔ اور آئینہ انسانوں میں سے ایک شخص ہے جو حق کے رد میں جھگڑتا ہے۔ لڑائی کرتا ہے۔ مال خرچ کرتا ہے۔ اور لوگوں کی تالیف قلوب کرتا ہے۔ جیسے لوگوں کے بادشاہ کیا کرتے ہیں۔ انطباع کے معنی یہ ہیں۔ اس (کامل انسان) کے افعال میں روح قدسی پھولی گئی ہو۔ ارادہ متماثل بھی اسی کا نام ہے۔

اس آخری دورہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اور صورت منطبعہ کے لئے مادہ کی حیثیت رکھتی تھی۔ وہاں سے احکام الہیہ کا چشمہ پھوٹ نکلا۔ اور اس کے پیوستے کے بعد مہم احکام منضبط ہوئے۔ اور تقادیر کی تعیین بھی ہوئی۔ اس لئے کہ لوگوں کو ایک ایسے مضبوط امر کا مرکز بنایا جائے جس کو تخریب ناسخ نہ ہو سکے۔ اور اس میں تسلسل خلل انداز نہ ہو۔ اور وہ امر محسوس کی طرح ہو جس کو قوم یا اقوام یا تھلے لے۔ اور تقرب ولی اللہ میں اسی سے تمسک کر کے پناہ اللہ نے قرآن عظیم کو نازل فرمایا۔ اور ان کے لئے خانہ قدیم بیت المقدس کا طواف مشروع فرمایا۔ اور ان کو احکام الہی کا امر کیا۔ قرآن عظیم عربی زبان میں ہی جتن ہوا۔ اور بیت اللہ بھی وہی مقرر ہوا جس کا کوئی صدیوں سے طواف کرتے آ رہے تھے۔ اور شراہ بھی وہ جاری کیں جو اسماعیلیہ اور اسماعیلیہ امتوں میں رائج تھیں۔ اسی کی طرف اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں رَوْضًا جَعَلْنَا عَلَيْكَ خَيْرًا لِّلدِّينِ



مِنْ حَوْرٍ طَمِيَّةٍ أَبِي كُثَيْبٍ (اور اس نے دین کے احکام میں تم پر کسی قسم کی  
 تنگی نہیں کی۔ تم اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کی ملت پر قائم رہو۔  
 پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے ساتھیوں اور صحابہ کی جماعت کے اصل  
 اور اساس میں اللہ تعالیٰ نے امانت کو اتارا۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے سینوں میں رزق کی تجماعت  
 کے لئے جہاد کا جذبہ اس طرح پھیل گیا۔ جسے مشک میں کھونکنے سے ہوا پھیل جاتی ہے۔  
 پھر وہ ایک امت ہو گئی جس کو لوگوں (کی ہدایت) کے لئے ظاہر کیا گیا۔ اور اللہ کی رحمت  
 نے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ یہاں تک کہ اللہ کا حکم غالب ہوا۔ اور اسلام صحرائی اور شہری  
 سب کے گھر میں پہنچ گیا۔

پانچویں اصل یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نفسِ قدسیہ میں یہ صلاحیت تھی کہ اس پر  
 گزبے ہوئے یا آنے والے زمانے کے واقعات منکشف ہوں۔ اور یہ اس لئے ممکن تھا کہ بڑے کلیہ واقعات  
 اپنی مثالی صورت سے ملا اعلیٰ میں صورت پذیر ہوتے ہیں جزئی واقعات بڑے معمولی اسباب سے  
 پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان سے ملا اعلیٰ میں رضایانہ رنگی کا (پہلے) کوئی اثر پیدا نہیں ہوتا۔ ملا اعلیٰ میں صرف  
 اس وقت صورت پذیر ہوتے ہیں جب ان کے موجود ہونے کا زمانہ قریب آتا ہے۔ باقی آنے والے  
 واقعات کے لئے تو اسباب ہم ہیں۔ جو ان کو ضروری بنا دیتے ہیں۔ اور ان کے اسباب کے لئے  
 بھی اسباب ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ سلسلہ چلا جاتا ہے پھر جب یہ نظام مجدد اسباب تک پہنچ جاتا ہے  
 تو اللہ تعالیٰ کی بوجہ اور رحمت ضروری قرار دیتی ہے کہ جس واقعے کے اسباب وجود میں آ

۱۷ سورۃ الحج ۷۸۔ لے اس میں قرآن مجید کی سورۃ آل عمران کی آیت ۱۱۰ کی طرف اشارہ سے وہ آیت  
 اس طرح ہے کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ



گئے ہیں اس کی صورت بلا اعلیٰ کی قوتوں میں صورت پذیر ہو۔ اور جس قدر اسباب بڑھتے ہیں گے۔ اور وقت قریب ہوتا جائیگا تو وہ صورت قوی ہوتی جاتی ہے۔

اس کا راز یہ ہے کہ نظام طبیعی ہونفس کلیہ کی صورت جزئیہ کا دوسرا نام ہے، اس نظام کی معرفت کو عظیم اعلیٰ کہا جاتا ہے۔ پھر انسانوں میں جو سب سے پاک طینت کا انسان ہوتا ہے، اس کے پاس واقعہ اپنے اول ظہور میں ہی مثالی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور جو شخص اس سے کم درجے کا ہوتا ہے اس کے لئے حادثہ کا صورت پذیر ہونا بعد میں ہوتا ہے۔ اسی طرح قیاس کرتے چلے جاؤ!

گذرتے ہوئے واقعات کی معرفت اس طرح ہوتی ہے کہ ہم نے کشف سے یہ معلوم کیا ہے کہ خلیۃ القدس کی فضا میں بندوں کی صورتیں متعلق رہتی ہیں جب کوئی بندہ نیک عمل کرتا ہے تو اس سے اس کا نفس کامل ہوتا ہے۔ ملائعہ اعلیٰ کے ملائکہ اس سے راضی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ اس پر رحم کرتا ہے اس کی مثالی صورت میں نور اور روشنی ظاہر ہوتی ہے۔ اور وہاں سفید نقطہ پیدا ہوتا ہے جب کوئی بندہ برا کام کرتا ہے تو اس سے اس کا نفس خراب ہوتا ہے۔ اور اس کی وجہ سے ملائعہ اعلیٰ میں ناراضگی پیدا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر لعنت کرتا ہے۔

اس کی صورت میں تاریکی اور سیاہی آجاتی ہے۔ اور وہاں سیاہ نقطہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہ صورت خلیۃ القدس میں اس وقت تک رہتی ہے جب تک اس دورے کے ختم ہونے کا وقت آجائے جب یہ دورہ ختم ہوگا۔ تو صورت بھی ختم ہو جائے گی جب کوئی عارف ملائعہ اعلیٰ کے ساتھ مل جاتا ہے تو اللہ کی مشیت سے ان صورتوں کے دیکھنے سے ان کے سب حالات اس پر کھل جاتے ہیں کسی کو کم علم ہوتا ہے تو کسی کو زیادہ اور اس کا مدار ان کے اللہ کے ملاں درجات پر ہے۔ ہم نے انبیاء اور اولیاء کے متعلق جو کچھ کہا ہے، اس کو بھی اس



تحقیق کی روشنی میں دیکھنا چاہیے۔

کبھی کسی بڑے واقعے کے لئے رجبو کسی عظیم انعام یا عام ہلاکت کے لئے ہوتا ہے (ملاً اعلیٰ کے مدارک میں ایک مثالی صورت ہوتی ہے۔ کاحل انسان کو اس کی معرفت ہوتی ہے۔ اور اسی سے (واقعے کو) معلوم کر لیتا ہے۔ کبھی عارف کے کان میں ایسی کوئی بات پڑ جاتی ہے جو لوگ آپس میں کر رہے ہوتے ہیں۔ اور ان کو خبر نہیں ہوتی۔ اور وہ اس سے غافل ہوتے ہیں۔ تو ان واقعات کی تاویل سے عارف کو یہ سمجھ آ جاتی ہے کہ وہ صحیح کی موضوع سے تیز کر سکے پھر وہ واقع کے مطابق حق کی طرف ہدایت پاتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ ایسا شخص کم ملے گا۔ جو ملاً اعلیٰ کے ساتھ ملحق ہو۔ اور اس کے نفس میں اس کے پیدا شدہ اصل مزاج کے موافق ان بڑے واقعات کا عکس نہ پڑے۔

جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس قدسی تمام عالم کی سیاست اور ملت کی امامت پر حادی تھا۔ اور وہ عظیم تبدیروں میں ملاً اعلیٰ کے ساتھ قوی مشارکت رکھتا تھا تو ضروری ہوا کہ آپ کے نفس مبارک میں پچھلے لوگوں کے قصوں اور مجموعی واقعات کا عکس پڑے۔ جن کا کرمت کے قیام یا اسے ختم کرنے سے کوئی مناسبت ہو۔ یا وہ انسان میں اس کے نظم طبیعی کا مقتضی ہو۔ یا بڑے اسباب کا مقتضی ہو۔ قیامت کے واقعات بھی اسی طرح ہیں۔ عیسےٰ رجاں کا ظاہر ہونا۔ مہدی کا وجود عیسیٰ علیہ السلام کا نزول۔ وابتہ الاغ کا آنا، یا جوج ماجوج کا نکلنا۔ یہ سب تشبہ اور صورت پذیر ہونے کے لحاظ سے بڑے واقعات ہیں۔ کیونکہ ان کا مبداء نظم طبیعی ہے

ان کی تفصیل یہ ہے، ظہور قیامت کا آغاز اور اس کی شرائط تین چیزیں ہیں۔

۱) عام حوادث جن سے انسان، حیوان اور دوسری بہت سی چیزوں



بنائات اور معدنیات کی بربادی ہوگی۔ جیسے زمین میں دھنسن جانا، عام موت، زلزلے، ہیب ڈولز میں اور باہمی لڑائیاں۔ ان کے لئے سماوی اور ارضی اسباب ہیا ہوں گے، جن سے ان واقعات کا ہونا ضروری ہو جائے گا۔

(۲) دوسری چیز یہ ہے کہ زمین سے خراب صورتیں اوپر جاتی ہیں جن میں سے کچھ لوگوں کے ارادی اعمال سے پیدا ہوتی ہیں۔ اور کچھ ایسی ہوتی ہیں جن پر ان کو کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ پھر فضا میں یہ خراب رنگ صورت پذیر ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا جو دان ہی فاسد رنگوں سے متلوٹ ہو کر نازل ہوگا۔ پھر دنیا ان نفوس کے پیدا ہونے کے لئے تیار ہو جائے گی جو اللہ کی طرف سے نوع انسانی کے لئے بنائی ہوئی حد سے باہر نکل جائیں گے۔ اور افراط یا تفریط کو اختیار کریں گے بعض تجرد اور اصلاح (دربانیت) کی طرف مائل ہوتے ہیں اور بہمیت کو اختیار کرتے ہیں۔ اس سے نوع انسانی میں بیماری پیدا ہوگی۔ پھر دوسری سمتیں اوپر جائیں گی۔ اور یہ پہلی سمتوں سے نہایت قلع اور بدبودار ہوں گی اللہ تعالیٰ کا جو وہی ان سمتوں سے متلوٹ ہو کر نازل ہوتا ہے۔ پھر آگے چل کر دنیا ایسے نفوس کے پیدا ہونے کے لئے تیار ہوگی جو پہلی حالت سے زیادہ اعتدال سے خارج ہوں گے۔ اور اسی طرح ہوتا رہے گا۔ یہاں تک کہ قیاسات خلل پذیر ہوں گے۔ اور کوئی نجومی اپنے علم نجوم میں سچانہ ہوگا۔ اور نہ کوئی طبیعی عالم اپنی طب میں صادق ہوگا۔ اور نیکی بالکل رک جائے گی۔ اور زمین پر کوئی بھی اللہ اللہ کہنے والا پیدا نہ ہوگا۔ زمین پر بہت سے حوادث پیدا ہوں گے۔ یا دعا اور ادراج کی طرف توجہ وغیرہ جیسے عارضی اسباب کی وجہ سے وہ رک جائیں گے۔ اس وقت اس نظام کا ختم کرنا ضروری ہو جائے گا۔

(۳) حکمت ربانی میں ایک مخفی راز ہے جس میں چوں و چرا کی گنجائش نہیں ہے جس طرح



یہ نہیں کہا جاتا کہ آگ کیوں گرم و خشک ہے۔ اور پانی کیوں ایسا نہیں ہے۔ اور سورج کی مشرق سے مغرب کی طرف حرکت کیوں تیز ہے۔ اور مغرب سے مشرق کی طرف اس کی (ذاتی) حرکت ایک سال میں پوری ہوتی ہے۔

اس کے بعد ملت اور خلافت کے واقعات کی (عالم بالا میں) تشریح و صورت پذیری کی نوبت آئی۔ خاص طور پر وہ واقعات جو کہ خلفائے راشدین کے دور میں ظاہر ہوئے۔ جیسے عراق شام اور مصر کی فتوحات، مال و دولت کی فراوانی، اور یہ کہ کسریٰ ہلاک ہوا۔ اور اس کے بعد کسریٰ نہیں ہے۔ اور قیصر ہلاک ہوا۔ اور اس کے بعد قیصر نہیں ہے۔ پھر اس ظالم بادشاہ کے واقعات جو نبی امیہ میں ہوئے۔ ان واقعات نے قوی اثر چھوڑا۔ پھر نبی عباس کی حکومت کے واقعات۔ اس کے بعد ترک سلجوقی جنگیزی وغیرہ کے فتنے ہوئے۔

جاننا چاہئے کہ ان حوادث اور واقعات کی صورتوں کے مختلف طبقے اور درجے ہیں۔ جب کسی بڑے واقعے کو چھوٹے سے نسبت دی جائے تو چھوٹا یوں نظر آئے گا۔ گویا کچھ بھی نہیں ہے۔ تب حصر کے ساتھ کہا جائے گا کہ بس یہی حادثہ ہے۔ جب اس کو کوئی ایسا شخص دیکھے گا جس کو حقیقت حال کا علم نہیں ہے تو وہ اس کو خلافتِ واقعہ سمجھے گا۔ اور اس پر اعتراض کرے گا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ ہمارا ملک شام ہی ہے۔ اس میں جو انحصار معلوم ہوتا ہے، اس میں ایک منیجر کو جہرت ہوگی۔ کہ شام کے سوا اور ملک بھی تو وسیع اور زیادہ ہیں۔ حق بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صورت کی طرف نظر فرمائی جو دوسرے درجہ پر لگتی ہے۔ پھر آپ نے اسی کی خبر دی۔ اور اس کو جب تیسرے طبقے سے نسبت دی جائے گی تو ایسا معلوم ہوگا کہ تیسرے طبقے میں کسی بھی شے کی صورت نہیں ہے۔ اسی طور آپ نے فرمایا کہ دین غالب ہوگا۔



جب تک کہ بارہ خلیفہ ہوں۔ (اس کو سن کر) سب کرنے والا یہ شک کرے گا۔ اور کہے گا کہ اس سے اگر خلافتِ نبوت مراد ہے تو وہ تیس برس میں گزر گئی اور اس میں خلیفہ ہوئے۔ اور اگر خلافت سے مراد عدل و دیانت کا دور ہے تو یہ بارہ خلفاء کے دور میں تھا اور ان کے بعد بھی عدالت اور دیانت احسن طریقے پر رہی ہے۔ اور اگر بارہ خلفاء سے مراد متفرق ہے تو عادل لوگ ان بارہ سے زیادہ گزرے ہیں۔

حق یہ ہے کہ مدت کو درجہ بدرجہ انحطاط اور تغیر لاحق ہوتا ہے۔ جو بات چار خلفاء کے دور میں تھی۔ وہ دوسروں کے عہد میں نہ تھی۔ اول جو کچھ شام کی حکومت کے دور میں تھا، وہ بعد میں نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں طبقوں کو شمار فرمایا۔ اور ان کے بعد کے دور کا زیادہ خیال نہ فرمایا۔ یہ دو طبقے بارہ خلفاء میں پورے ہو گئے، جو سب کے سب قریش میں سے تھے۔ چار تو خلفائے راشدین ہیں۔ اور حضرت معاویہ حضرت عبداللہ بن زبیر، عبدالملک اور اس کی اولاد سے چار اور حضرت عمر بن عبدالعزیز۔ پھر رونما ہوا جو کچھ ہوا۔ اسی طرح قریب قیامت کے سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ میں قیامت کے آگے بھیجا گیا ہوں۔ اس میں آپ نے ان وقائع اور مدت کو شمار نہ فرمایا جو اس سے پہلے ہیں۔

چھٹی اصل یہ ہے کہ نور جس کا ہم نے پہلے نبی الانبیاء نام رکھا ہے، اس لائق تھا کہ خدا پاک کی طرف سے خاص رحمت کے نزول میں حق کا جبار حبسے۔ ایسی رحمت کہ گنہگاروں کے نفوس کو اچھی طرح گھیر لے۔ ان کی برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دے۔ اور دنیا کی جن خبیثہ سہیتوں سے ان کے نفوس آلودہ ہو گئے ہیں، یہ رحمت ان کو ہٹا دے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس وقت اللہ تعالیٰ کا جبار رحمت بنا۔ اس کا مصدر منہج وہ لطف ہے جو آج کھنکھانے کے نزول میں مغربوں کے بھینچنے اور زمین میں اللہ کے



شمار مقرر کرنے کا سبب ہوا لیکن یہ ایک نہایت کامل انسان کی پُرچوش ہمت پر موقوف ہے تاکہ اس کی ہمت بگھلے ہوئے سونے کے قالب کی طرح ہو۔ یا پرنڈو کے گھونسلے کی طرح یا جیسے ہم مادہ کے لئے صورت ہوتی ہے اس کی مثال نفس کلیہ جیسی ہے کہ وہ زمین پر نہیں اترتا۔ اور نہ موالید میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور نہ مخصوص قابلوں میں متعین ہوتا ہے۔ مگر زمین کی استعداد اور صورتوں کے مطابق اس کا نزول ہوتا ہے۔ اسی لئے نفس ناطقہ کے فیضان کے لئے والد کا لطف اور والدہ کا رحم شرط قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی طرح نفس نباتی کے فیضان کے لئے ہوا کا داخل ہونا پانی کا زمین میں ہونا اور ریح کا واقع ہونا۔ ان سب کو شرط قرار دیا گیا ہے۔ اسی پر دوسری چیزوں کو بھی قیاس کریں۔

تحقیق اللہ تعالیٰ نے اپنی سابق تقدیر میں یہ مقدر کر رکھا تھا کہ یہ شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے۔ وہ خدا کی طرف دعا کی بڑی رغبت کریں گے۔ ان کی دعا کی وجہ سے اللہ کا جو ذبی الانبیاء کے ذریعے برستار ہے گا۔ یہ راز آپ کے نفس مبارک میں پوشیدہ ہوا۔ آپ نے اپنی ذات کی معرفت سے اس راز کو بھی جان لیا۔ اور اس سے شکر کے واقعات کا علم بھی آپ کو حاصل ہو گیا۔ اور اس سے یہ بھی ضروری ہو گیا کہ آپ تمام انسانوں کے قائد اور امام بنیں۔ اور تمام لوگ حضرت آدم اور ان کے سوا سب لوگ آپ کے جھنڈے تلے جمع ہوں۔ اور یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ کے فاتح ہوں۔ آپ کی شفاعت کے سلسلے میں لوگوں میں سب سے زیادہ سعادت مند وہ انسان ہوگا جس نے اپنے نفس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جنت کی استعا اور بلکہ حاصل کیا ہوگا۔ اور آپ پر زیادہ درود پڑھا ہوگا آپ



کے اس کمال سے چار علوم چھوٹے۔

ایک علم محاسبہ ہے۔ محاسبہ کہتے ہیں اُن اچھے اور بُرے اعمال کی اطلاع پانے کو جو نفوس کے دامن سے چھٹے ہوئے ہیں۔ اور ان کا اثر نفوس میں نقش ہو چکا ہے۔ اور علم محاسبہ کی دوسری بات یہ ہے کہ ہر عمل کے ثواب اور ثواب والی خاصیت کو بھی معلوم کیا جائے۔ اس دن اس پر اطلاع اس طرح ہوگی کہ نفوس پر جو دنیا کی غلیظت لگیا چھائی ہوئی تھیں۔ وہ سب چھوٹ جائیں گی۔ یہ محاسبہ انسانوں کے معاملہ میں اُس دن مخصوص ہوگا۔ باقی اگر حق تعالیٰ کی جہت سے دیکھا جائے تو محاسبہ میں کوئی تجدد نہیں ہے۔ یہ بروقت ہوتا رہتا ہے۔

جب محاسبہ کا وقت آئے گا تو حکمتِ الہیہ کے بل یہ ضروری ہوگا کہ مثالی صورتیں ظاہریوں کی جن میں محاسبہ کی روح داخل ہو جائے۔ اور اس میں انسانِ اکبر کی طرف سے تخیل پیدا ہوگی جیسے انسانِ اصغر کی طرف سے یہ تخیل ہوتی ہے کہ اس کے مدارکات میں بزدلی، خردگوشی کی صورت میں اور غضب شہیر کی شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

اہم مثالی صورتیں جن کو پیغمبر علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے چند چیزیں ہیں:-  
 ایک انسانوں کے روبرو ان کے اعمال کا پیش کرنا۔ اور اعمال کا ان کے مناسب ذاتی اسکال میں صورت پذیر ہونا۔ یہ صورتیں ایک طرح اُن کو لازم ہوتی ہیں۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مال و دولت کی زکوٰۃ نہ دینے والے کے متعلق فرمایا کہ اس کی گردن میں گننے سانپ کا طوق پڑے گا۔ یا اونٹ اپنے پاؤں سے اُسے روندیں گے۔ اور گائیں اُس کو اپنے سینک ماریں گی۔ مناسب اور خائن کے حق میں بھی اسی طرح آیا ہے۔ آپ نے

لے اگلے صفحہ کے حاشیہ پر



فرمایا کہ غادر یعنی عہد شکنی کرنے والے کے سر میں پتھر پھینکا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا نور ان کے آگے آگے چلے گا۔ یا وہ صورتیں عرصی ہوں گی جیسے چہروں کا روشن ہونا۔ یا سیاہ ہونا۔ اور موٹوں کی گردن کا درازہ ہونا۔ وغیرہ۔

مثالی سورتوں کی دوسری مثال انسانوں کے نامہ اعمال کا پڑھنا۔ دائیں ہاتھ یا بائیں ہاتھ سے یا پشت کی طرف سے نامہ اعمال کو پکڑنا۔ اور اللہ تعالیٰ کا اس طرح کلام کرنا: کیا میں نے تجھ کو سردار مطاع نہیں بنایا تھا؟

تیسری مثال یہ ہے کہ ہر امت کو حکم ہوگا کہ اپنے اپنے معبود کے پیچھے ہو جائے۔ پھر وہ ان کو جہنم میں گرائے گا۔ اور مومن خاص تجلی کے ذریعہ پرخ جائیں گے جس کو انہوں نے اللہ اس کی صفات کے بارہ میں حق مانا تھا۔

چوتھی مثال میزان کا قائم ہونا۔ اور اعمال کا تولنا۔ یہاں تک کہ وہ پرچہ جس میں لا الہ الا اللہ ہوگا، وہ بھی تولا جائے گا۔

پانچویں مثال چھٹی ہونی خصلتوں کا ظاہر ہونا جنہوں نے دینی اعمال کی خاص صورت نہیں پائی اور اس کی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک چیز کا حکم فرماتا ہے اور اس کی تعمیل کی جاتی ہے۔ تو اس سے تابعداری اور جبار وغیرہ ظاہر ہوتی ہے۔

رحمۃ صغیرہ گذشتہ ایک طویل حدیث کا کلمہ ہے جس کو ابن ماجہ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اس حدیث کو امام بخاری نے بروایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما صحیح میں، باب اثم الشاؤدہ میں ذکر کیا ہے۔ سورہ تحریم آیت ۸

اس حدیث کے لئے دیکھئے کتاب النہایۃ فی التالیف ما فیہ من شریکۃ فی شہادۃ اللہ فی غیرہ بصرہ



چھٹی مثال بلی مرط کا قاتم ہونا۔ اور دوزخ کے کانٹوں کا ظاہر ہونا کچھ لوگ بجلی کی طرح  
گزر جائیں گے۔ یا ہوا کی طرح۔ اور کچھ پیل ہونگے جو سلامت گریہ جائیں گے۔ اور کچھ لوگ زخم  
کھا کر نجات پائیں گے بعض ایسے ہوں گے جن کو کانٹے اچکائیں گے۔ اور وہ دوزخ میں گر  
پڑیں گے۔ یہ سب حق تعالیٰ کی طرف سے محاسبہ کی صورتیں ہیں۔ اور نفوس کا اپنے اعمال کی حالت  
پر اطلاع پانا ہے۔

دوسرا نبی الانبیاء کی راہ سے نزول رحمت کا علم ہے۔ ہم اس کی حقیقت پہلے بیان  
کر چکے ہیں۔ اور یہ کئی صورتوں میں متمثل ہوتا ہے۔

۱۔ انبیاء، رسل، اولیاء، قرآن اور اعمال کی شفاعت کا ہونا اور انبیاء اور ان  
کے ساتھی شہداء کا سرکش کافروں سے محاصمہ کرنا اور جھگڑنا اور ان کا ان سے منہسی کرنا اور ان  
کی مصیبت پر خوش ہونا۔

۲۔ جوش کا ظاہر ہونا اور یہ کہ میں مخلص اس جوش کا پانی پیس گے اور ان کے سوا دوسرے  
لوگوں کو اس جوش سے ہٹکایا جائیگا۔ جیسے اجنبی اونٹ کو ہٹکایا جاتا ہے:

تیسرا علم آرام اور تکلیف کا بوسہری یا عسری مناسب صورتوں سے متمثل ہونے کا ہے۔  
جاننا چاہیے کہ نفس انسانی جب تک دنیا میں ہوتا ہے تو وہ کئی نوع سے نفع حاصل

کرتا اور آرام پاتا رہتا ہے۔ جیسے اچھا کھانا۔ اچھا پینا، مرغوب شادی، عمدہ لباس اچھی رہائش  
اور دوسرے بھی کئی منافع ہیں جو ایک ایک فرد کے ساتھ مخصوص ہیں آنحضرت صلی اللہ

علیہ وسلم کا یہ قول بھی اسی نوع سے ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جعفر بن  
لئے ایک اونٹنی پیدا کی ہے جو گندم گوں اور سرخ بونٹ والی ہے۔ یہ اس لئے کہ حضرت

جعفر رضی اللہ عنہ کو گندم گوں اور سرخ بونٹ کی لون رغبت تھی پیغمبر عبد السلام کا



اونٹ اور گھوڑے کے متعلق فرمایا بھی اسی قسم سے ہے۔ کوئی ایسی آرام دہ حالت جو ہمارے خواب میں انس، انشراح اور اطمینان کا لباس پہن کر آئے گی تو ایسی حالت مومن کو جنت میں عطا کی جائے گی۔ اور اسی طرح کوئی تکلیف دہ حالت جس سے نفرت و حسرت اور تنگ دلی پیدا ہوتی ہے ایسی حالت کافر اور منافق کو دوزخ میں دی جائے گی۔ یہ مجمل کلمہ تھا جس کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اچھی طرح شرح فرمائی۔

جو کچھ علم۔ لوگوں پر جنت کے ایک ٹیلے پر اللہ تعالیٰ کی تجلی ہے۔ یہ ایک ایسا عطیہ ہے جو لوگوں کو ان کے عمل کی وجہ سے عطا نہیں ہوا۔ بلکہ اس کو انہوں نے کسب کو چھوڑ دیا اور جہنمی بخشش سے حاصل کیا ہے۔ یہ عطا ان پر اس لئے ہوتی ہے کہ ان کو نفس انسانی عطا ہوا ہے۔ اور اچھی صورت پر ان کی پیدائش ہوئی ہے۔ ہاں اعمال کا یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ موانع کو مٹاتے ہیں۔ اور حجابات کو اٹھاتے ہیں۔ اسی لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تحقیق تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چاند کو دیکھتے ہو۔ پھر اگر تم میں سے کوئی یہ طاقت رکھتا ہے کہ صبح اور عصر کی نماز کو نہ چھوڑے (اور اس پر دوام کرے) تو یہ عمل کرے۔

جاننا چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی ذات میں سوچنے کو ہمارے لیے منع نہیں فرمایا۔ بلکہ یہ کہہ کر اس سے منع فرمایا ہے کہ خالق میں تفکر نہ کرو۔ اور یہ بھی فرمایا کہ رب تعالیٰ کی ذات میں سوچنا نہیں ہوتا۔ اس میں اللہ کی صفات کی بحث بھی داخل ہوگئی۔ یعنی اللہ کی صفات کے حقائق کا بیان اور صفات کے ساتھ ذات کے متصف ہونے کی کیفیت کہ سمح و لبر دونوں غیر علم ہیں یا عین علم ہیں۔ کلام نفسی ہے یا کوئی دوسری شے ہے۔ اسی پر دوسرے مباحث کو بھی قیاس کیا جائے۔ باقی کچھ چیزیں ضرور ایسی ہیں کہ نبی



صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب و عجم کے نفوس کو انہیں اور اگ کرتے ہوئے پایا۔ اور وہ ان صفات سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے ہیں۔ تعظیم و تقدیس تہنیز اور تشبیہ کے ساتھ جیسے یہ کہتا کہ اللہ کو مخلوق پر قدرت حاصل ہے۔ وہی اس دنیا کا نظام چلاتا ہے۔ اور اس کی مانند دوسری عبارتیں بھی ہیں، آپ نے دیکھا کہ لوگوں کا کمال ان چیزوں کی معرفت کے بغیر کامل نہیں ہوگا۔ اور آپ نے یہ بھی دیکھا کہ لوگ ہر زمانے میں ان اوصاف ہی سے رب تعالیٰ کی توصیف کرتے آرہے ہیں۔ اس لئے آپ نے بھی آیام اللہ (گزرائے ہوئے واقعات) اور نعمتوں کی تذکیر کی اساس ان اوصاف پر رکھی۔ اور اپنے کلام مبارک میں ان کو استعمال فرمایا۔ جیسے وہ استعمال کرتے تھے۔ آپ نے ان کی حقیقتوں کی شرح اور کثرت کے بیان کرنے سے گریز فرمایا۔ اور تشبیہات کے استعمال سے بھی آپ نے بچے۔ جیسے اللہ کے بارے میں ہاتھ پر ضمک (ہنسنا ہودہ قرون جو تہنیز علیہ السلام کے فرمودہ کے مطابق خیر القرون میں ہودہ بھی اسی طرز پر گزریں بعد میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنا نام اہل سنت رکھا۔ حالانکہ سنت ان سے کسی مرتزلیں و در ہے۔ انہوں نے بے فائدہ باتوں میں کلام کرنا شروع کر دیا۔ اور ایسی بات کہنے لگے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کہی تھیں بخدا اس عام مصیبت سے پناہ میں رکھے۔ اور اللہ ہی سے مدد طلب کی جاتی ہے۔

وہ معجزات جو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ظاہر ہوئے ان کے وہ اصول جن کی طرف وہ معجزات رجوع ہوں۔ بلکہ جو کرامتیں جملہ کامل لوگوں کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتی ہیں۔ ان کی بھی اصل کئی چیزیں ہیں!

ایک بحث ہے۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ انسان کے نفوس میں ایک نقطہ ہے، جس کی طرف سب کھینچ کر آتے ہیں۔ اور وہ ان پر غالب آتا ہے۔ اور ان کو اپنی طرف اس طرح



کھینچتا ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کے اجزاء کو اپنی طرف کھینچتا ہے، پھر اگر قوی سعادت والا ہوتا ہے، تو وہ اس کی بات کو واجب قرار دیتا ہے، کہ اس کے نفس میں اور اس کے ارد گرد میں جو لوگ ہیں، ان کے نفوس میں بلکہ بہائم اور ملائکہ میں بھی ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کی رفاہیت (آرام) اور رفاقت کی رغبت دلائیں۔ اور اگر وہ شقاوت اور بدبختی میں قوی ہوتا ہے، تو وہ اس کو واجب کرتا ہے کہ اس کے نفس میں اور اس کے ارد گرد جو انسان، ملائکہ اور بہائم ہوں، ان سب کے نفوس میں ایسے خیالات ڈال دیئے جاتے ہیں جو اس کو تکلیف میں ڈال دیں۔ اور بلاشبہ پھنسا رہیں۔

ہیں نئے بار بار دیکھا ہے کہ ایک شخص کی ہلاکت کے لیے قضا انقضاء پذیر ہوئی۔ یہ قضا اسباب کی طرف اس طرح چلی جیسے گھاس والی زمین میں پانی بہتا ہے۔ یا سورج کی روشنی پھٹے ہوئے پر سے سے اندا جاتی ہے۔ اس میں موجب اور مانع کے وزن کی رعایت کی جاتی ہے۔ اب اگر گھاس یا کوڑا پانی کے چلنے کو روکتا ہے اور پردہ نور آفتاب کے نفوذ میں مانع ہے۔ تو دونوں کا بروئے کار آنا حسب امکان ہوگا۔ اسی طرح قضا بھی حتی الامکان قریب تر جگہ کی طرف چلتی ہے۔ اگر وہاں نشیب زمین ہوگی۔ اور ایک شخص کا اس میں گرنا نظام اسباب سے بعید نہ ہوگا تو قضا اس کی طرف چلے گی۔ پھر اس شخص کے دل میں اس جگہ کے قریب چلنے کا امکان پیدا ہوگا اور وہاں پہنچ کر اس کا پیر پھیل جائے گا تو اسی میں اس کی موت واقع ہوگی۔ اور اگر وہاں اس کا کوئی دشمن ہوگا۔ اور اس کی خصومت، نور کی چیز نہیں تو قضا اس کی طرف چلی تو دشمن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اس سے لڑے



یا اس شخص کو غصہ آیا اور غصے میں دشمن کو گالیاں دیں تو اس کا نتیجہ اس کی ہلاکت نکلا۔  
 اگر وہاں کوئی چارپایہ ہے تو قضا اس کی طرف چلی۔ اس چارپایہ نے اس کو لات مارا  
 یا اسے اپنے منہ کے جبروں سے پھدی طرح کاٹا اور اسی میں اس شخص کی موت واقع  
 ہوئی۔ اور اگر اس دل ملائکہ کا الہام قریب تھا تو قضا ان کی طرف چلی تاکہ ملائکہ اس کام  
 کو پورا کریں، جو پہلے معتد ہو چکا ہے۔ ہر شے کے لیے ان اسباب میں کوئی نہ  
 کوئی اسباب ہوتے ہیں۔ جو اس شے کو واجب اور ضروری بنا دیتے ہیں۔

بجنت بیشتر اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ہم نے بارہا یہ مشاہدہ  
 کیا ہے کہ بعض لوگوں کے نفس میں روشن ستارے کی طرح ایک چمک دار نقطہ ہوتا  
 ہے۔ جس سے کئی شعاعی خطوط نکلتے ہیں۔ جو لوگوں، ملائکہ اور بہائم کے نفوس میں  
 نفوذ کرتے ہیں۔ جب ادھر سے تاثیر اور ادھر سے اثر قبول کرنا ہوتا ہے تو یہ  
 اس کے ساتھ احسان کرنے کے ارادے کو ضروری قرار دیتا ہے۔ اور اس کی  
 محبت سے دل بھر جاتا ہے۔

اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کسی انسان کے نفس میں نقطہ تو ہوتا ہے لیکن  
 اس میں ویسی تابانی اور چمک نہیں ہوتی۔ پھر وہ اسماء الہیہ کی طرف توجہ کرتا ہے۔ اور  
 اس کے مانند دوسرے کام کرتا ہے تو اس کے نفس کا نقطہ بہت ہی چمک جاتا  
 ہے۔ اسی جہت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اول روز سے لے کر جس وقت  
 آپ پیدا ہوئے اور جب اپنی دایہ کے پاس دوڑھ پلتے تھے۔ تو آپ کے لیے جہاں  
 ہوں، رحمت، رفق اور لطف ظاہر ہوتے تھے۔ آپ کے دست ہمیشہ فتح پاتے  
 تھے اور آپ کے دشمن خوار ہوتے تھے۔ جو چیز آپ کے لیے تکلیف دہ ہوتی تھی۔



اس کو آپ سے ہٹایا جاتا تھا۔ اس طرح آپ برابر بڑھتے گئے، یہاں تک کہ اس مرتبے کو پہنچے، جہاں پہنچے۔

دوم یہ کہ آپ اچھی صورت اور معتدل مزاج میں ایسے وقت پیدا ہوئے کہ اس میں ستاروں کی قوتوں کا سعید اجتماع ہوا تھا۔ یہ آپ کے لیے بڑی بزرگی، فلبہ اور عرب و عجم کے لیے آپ کی امامت کا متقاضی تھا کہ لوگوں کو آپ کی اطاعت کے لیے کھینچ کے لایا جائے اور آپ کی طرف جو ملت منسوب ہو وہ قیامت تک باقی رہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر شے میں یعنی انواع، اشخاص اور ہیئات میں کوئی نہ کوئی اثر اور خاصیت و ولایت کر رکھی ہے۔ اچھے نظام کی کسی بھی چیز کو اس کے اثر اور خاصیت (کے اظہار) سے نہیں روکا جاتا۔ آپ کی اس نفیست اور خاصیت نے اس کو ضروری ستاروں کا آئینہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے جمیل (خوبصورت) ہوں اور خلق میں سب سے کامل اور سب سے زیادہ بہادر ہوں۔ اور سخاوت، حلم، عدالت اور فصاحت میں سب انسانوں سے بڑھ کر ہوں۔ اور آپ ایسی قوم سے پیدا ہوئے جو عرب میں اشراف اور برگزیدہ لوگ تھے۔

جن لوگوں کو خطیرۃ القدس کے فیصلوں کی معرفت کے سلسلے میں حضورؐ بھی لگاؤ تھا۔ جیسے کاہن لوگ، جن، نجومی اور اس قسم کے دوسرے لوگ یہ سب شریعت سے اپنے ظلم اور فن سے یہ جانتے تھے کہ (آخری دور میں ایک بزرگ پیغمبر ہوگا) جس کے حق میں یہ سب چیزیں اور فضائل مقدر ہو چکے ہیں۔ آپ سے پہلے جو انبیاء اور ان کے تابع دار راہب اور عرب کے عبادت گزار تھے۔ وہ تو آپ کی آمد اور



آپ کے فضائل سے پورے طور باخبر تھے۔

یہ دونوں خصلتیں ایسی ہیں۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عدل بادشاہوں میں سے جو اچھے اخلاق اور بخت سعید کے حامل تھے بڑھ ہی اپنی استعداد کے موافق شرکت رکھتے ہیں۔

ایسا شخص کم ہی ملے گا کہ ایک سلطنت کا بانی ہو۔ اور اس کے بارے میں اس قسم کے غیر معمولی خارق عادت امور جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، بروی نہ ہوں۔ اسی طرح ایسا شخص کم ہی ملے گا کہ وہ اپنے اخلاق میں کامل ہو۔ اور اس کے وجود میں آنے کے وقت ستاروں کی سجدہ قوتوں کے اجتماع اور اس قسم کی دوسری چیزوں کا ہونا مروی نہ ہو۔

سو م یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مفہم من اللہ تھے۔ گزرے ہوئے اور آنے والے واقعات کی خبروں کو جس قدر اللہ کی مشیت ہوتی، آپ غیب سے حاصل کر لیتے تھے۔ کیونکہ آپ کے اندر کی تخی ان الائنسوں سے صاف تھی، جو رنگ باطن کی موجب ہوں اور جس واقعے کی صورت حقیقۃ القدس میں ثابت ہے، اس کے انطباق کو روکیں۔ اس کارازیم نے پہلے بیان کیا ہے پھر کبھی آپ کے دہنے کوئی چیز خواب میں ممتثل ہوتی تھی، جس کی حقیقت حال پر تعبیر کے ذریعے آپ کو اطلاع ہو جاتی تھی۔ اور بلا واسطہ بھی آپ جانتے تھے۔ کبھی بھوڑی دیر کے لئے آپ کو بیداری میں کوئی چیز ممتثل ہو کر آتی تھی اور پھر جلدی مٹ جاتی تھی۔ یہ اصل میں رنگ اور شکل وغیرہ کی طرح تھی۔ کبھی کوئی فرشتہ انسانی صورت میں آپ کے پاس آتا تھا۔ اور آپ سے خطاب کرتا تھا جسے آپ یاد کر لیتے تھے۔

جسے اللہ تعالیٰ نے واقعات کی تاویل کا علم کیا ہے، اسے ان امور میں دو



باتوں میں تامل کرنا ضروری ہے۔ ایک یہ کہ جو واقعہ دیکھ رہے ہو، اس کا دوسرے واقعات اور حوادث سے امتیاز کرنا ضروری ہے۔ تاکہ یہ حادثہ دوسرے سے انکشاف میں نمایاں ہو۔ یہ تمیز کسی طریقوں پر ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ نفس کو اس کی طرف غماہ میں اشتیاق پایا جاتا ہے جیسے کسی شخص کو ایسی چیز ملائی جائے جس کی وہ توقع رکھتا ہو۔ یا اس کے اندر اس کے لئے اچھا ہوا شوق ہو۔ جیسے کوئی محتاج آدمی اسودگی کی طرف مشتاق ہوتا ہے لیکن وہ اپنے کسب اور حیلوں سے اسودگی کو نہیں پہنچ سکتا۔ اس میں یہ ضرور کہا نہیں ہے کہ اس ساعت میں اس کے ذہن میں ان باتوں کا کوئی معمولی تصور بھی ہو۔ تمیز کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ ملأ اعلیٰ میں اس حادثے کی صورت کا انطباق قوی طور پر ہوا ہے پھر کوئی ایسا انسان جس کو ملأ اعلیٰ تک رسائی ہوگی، اس کے ذہن میں اس حادثے کی کسی جھلک کا ہونا ناگزیر ہے۔ اور یہ صورت بڑے واقعات میں ہوتی ہے۔ جیسے کسی حکومت کا پیدا ہونا۔ اور دوسری حکومت کی تباہی، عام قحط اور وبا وغیرہ کا ہونا۔ جب یہ صورت ہوتی ہے تو قوم کے خواب اور مکاشفات اس سے موافق ہوتے ہیں۔ تیسری وجہ حق تبارک و تعالیٰ کی تدبیر ہے۔ اور اس کی رُو سے اچھا نظام اس وقت تکمیل پذیر ہوتا ہے جب اس کی استعداد رکھنے والے کے دل میں اس کا علم رکھا جائے۔ اس لئے فرعون ہی نے خواب میں قحط دیکھا۔ اور اس کو اپنے کام میں بصیرت پیدا ہوئی کسی کے قلب میں علم کے اس فیضان کے لئے دور کنوں کی ضرورت ہے۔ ایک یہ کہ نفس اس کے لئے مستعد ہو۔ اور دوم اللہ کا حمد اور اس کی

۱۔ یہ فرعون حضرت یوسف علیہ السلام کے درد کا ترجمان معلوم ہوتا ہے جس کو سات گاد کی صورت میں خواب میں قحط دکھایا گیا تھا۔ اس کا قصہ سورۃ یوسف میں آیا ہے۔



رحمت کا فیضان ہو۔ ان دونوں رکنوں کا اجتماع مختلف وجوہ سے ہوتا ہے۔

ایک یہ کہ اس میں جو استعداد پر غالب ہوتی ہے۔ اور یہ ان علوم میں ہوتا ہے جن کے ساتھ جمہور کی اصلاح والبتہ ہوتی ہے۔ یا ایک تو یہ کسی شخص کی اصلاح کا مدار اس پر ہوتا ہے۔

دوم یہ کہ اس میں استعداد جو دوسے زیادہ ہوتی ہے۔ اور یہ ان علوم میں ہوتا ہے، جن کا لوگوں کی اصلاح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ پہلا علوم انبیاء علیہم السلام کا منشا ہوتا ہے اور وہ مطلق صادق ہوتا ہے۔ اس کا لوگوں کو مکلف بنانا صحیح ہوتا ہے۔

دوسرا اولیاء کے علوم کا منشا ہوتا ہے۔ اور وہ ایک حال کے لحاظ سے سچا ہوتا ہے۔ اور دوسرے حال کے نہیں۔ اور کسی نفس میں صادق ہوتا ہے۔ اور کسی میں نہیں ہوتا۔ (جو انبیاء کے درماد ہیں) وہ اس سے مستثنیٰ ہو سکتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نفس سے کسی مخصوص واقعہ کی مناسبت ہوتی ہے پھر کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت کی تجزیٰ حوادث سے مناسبت ہوتی ہے۔ اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جن کی اصل فطرت بڑے امور سے مناسبت رکھتی ہے۔

دوسری چیز جس میں تاویل احادیث کے عالم کو سوچنا ضروری ہوتا ہے، ایسے کہ نفس کی دنیوی موانع سے خلاصی چند منحنی اسباب کی بنا پر ہوتی ہے۔ بعض مشغولیت تو اصل نفس کے آرام کا باعث بنتی ہے اور نفس (ایسی حالت میں) صرف آرام میں مشغول رہتا ہے۔ اور کبھی رکھی چیز میں رغبت پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ اس میں غور و فکر کرنے کی طرف پہنچاتی ہے۔ اور کبھی مزاحمت ہوتی ہے تو پیچھے ہٹنا پڑتا ہے۔

ان امور میں یہ بھی ہے کہ آپ کے نفس اور اہل نفس کے جمیع متعلقات کو عظیم



برکت عطا ہوئی تھی۔ برکت کی حقیقت یہ ہے کہ بلا اعلیٰ کی رحمتوں و عاؤں اور رضاسے ایک وسیع سبب بندے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور وہ سبب اس کے نفس کے ساتھ مل جاتا ہے۔ اس سے طبعی اسباب میں بسط پیدا ہوتا ہے۔ پھر عادت میں نفسانی حالت کبھی ایسی ہوتی ہے کہ جس سے انسان کو بھوک کا احساس نہیں ہوتا۔ اور بدن کے اجزاء حرارت غریزی کی وجہ سے نہیں گھلتے۔ جیسے طبیعت کا کسی بیماری کو دفع کرنے میں مشغول ہونا۔ یا شرمندگی، خوف، احمیت وغیرہ کا احساس اس حالت کی استعداد خود نفس اور بدن میں ہوتی ہے۔ چنانچہ جب برکت نازل ہوتی ہے تو اس استعداد سے مل جاتی ہے تو ایک بڑی مدت تک عقل کی مقتضاسے زیادہ قوت سے بدن میں اس کو روک دیتی ہے۔ اللہ برکت والا انسان جب اس اثر کے ظہور کا ارادہ کرتا ہے تو صمد اور قدوس جیسے اسماء حسنہ کے ذکر سے تمسک کرتا ہے تاکہ اپنے نفس کو اس نفسانی حالت کی طرف متوجہ کرے یا برکت کو اس صورت میں مشخص کر دے۔

بعض نفسانی حالات عادتاً ایسے ہوتے ہیں کہ ان سے بطش (پکڑ کی) اور بیداری کی قوتیں پیدا ہوتی ہیں جیسے دل کا انبساط، حمیت، رغبت، اخون وغیرہ کا پیدا ہونا۔ اس حالت کے لئے ایک استعداد کا ہونا ضروری ہے جب یہ برکت نازل ہوتی ہے۔ اور اس استعداد سے اگر مل جاتی ہے۔ تو پکڑ کی قوت اور بیداری کو کسی گنا بڑھا دیتی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص اپنے ساتھی اور دوست کے افعال اور ہنیاں کو دیکھتا ہے تو ان سے اس کو ایسے پوشیدہ امور کی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں جو اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں ہوتیں اور نہ اس کو خود کسی دوسری حالت میں ایسی معلومات حاصل ہو سکتی ہیں۔ اور اس حالت کے لئے ایک استعداد ہوتی ہے جب اس استعداد سے برکت ملتی ہے تو خلاص عادت فرست کر واجب اور ضروری قرار دیتی ہے۔



ہر نفس میں اُسے اپنے رب تبارک و تعالیٰ اور اس کے شعائر کے متعلق جو اعتقاد ہوتا ہے اُس کی ایک صورت ہوتی ہے۔ اسی طرح اس کے قلب کو جس چیز کے ساتھ لگاؤ ہوتا ہے۔ تو اس کی بھی قلب سے متعلق ہونے کی کوئی شکل اور صورت ہوتی ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب وہ اپنی پوری ہمت کے ساتھ اس اعتقاد کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ تو وہ اعتقاد کسی نہ کسی شکل اور صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ یہ اکثر تو خواب میں ہوتا ہے۔ اور اکثر بیداری میں بھی ہوتا ہے۔ پھر اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس اعتقاد کے وقت اس کے ساتھ برکت مل جاتی ہے۔ تب وہ ایسی تجلیات اور مبشرات کو ضروری قرار دیتی ہے جس کے اور گرد تک عام لوگوں کی پہنچ نہیں ہوتی۔

خلاصہ یہ کہ آپ کے بارے میں متواتر طور پر مریخی تجزروں میں سے ایک معجزہ یہ ہے کہ بنی صلی اللہ علیہ وسلم کسی طحاسم یا پانی پر دعا فرماتے تھے تو اس میں بہت برکت پیدا ہو جاتی تھی۔ اس کی یا تو یہ صورت ہوتی تھی کہ مرنے والے کا نفع بڑھ جاتا۔ اور وہ شے زائد نفع کی جگہ لے لیتی۔ یا وہ خود شے بھی بڑھ جائے۔ اور اس کا مادہ ملا اعلیٰ کی ہمتوں کے انوار کا میطیع ہو جاتا۔ اور وہ پانی اور طحاسم کی شکل اختیار کر لیتا۔ عادت میں اس کی نظائر موجود ہیں۔ ان دونوں خصلتوں میں مفہمیں اور اولیا رکھی آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ اس لئے اولیاء کے مناقب کی کتابیں اس قسم کی کرامات سے تجھے پُر دکھائی دیں گی۔ مثلاً کشف، دل کی بات، تبارک و تعالیٰ، دعا کا مستجاب ہونا وغیرہ۔

دوسرا معجزہ یہ ہے کہ قلیل الوقوع اسباب کی بنا پر کم واقع ہونے والے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ ان کو خوارق عادت کے خلاف امور کہا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس کو خارق عادت کے خلاف کہا جاتا ہے۔ وہ فی الحقیقت امور عادیہ سے ہوتی



ہے۔ لیکن جب کہ اس کے اسباب کم واقع ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا ظہور بھی کم ہی ہوتا ہے۔ اور عام لوگوں کو ایسی چیزوں کی توقع نہیں ہوتی۔ اس لئے ان کو خوارقِ عادت کے خلاف امور) کہا جاتا ہے۔ امر خارق کے لئے بسا اوقات نظیر ہوتی ہے جو لوگوں کے ہاں مالوف ہوتی ہے۔ یا وہ خارق ہونے میں اس سے اتم ہوتی ہے۔ لیکن اس کی طرف عام لوگ التفات نہیں کرتے۔ جب ان کے ہاں کوئی امر خارق بڑی اہمیت اختیار کرتا ہے۔ اور اس سے لوگ متعجب ہوتے ہیں۔ اور لوگوں کی زبان پر اس کا عام ذکر ہوتا ہے۔ اور اس کو توارخ میں درج کرتے ہیں۔ جیسے معمولی مدت میں پانی کا سنگِ مرمر بن جانا تو اس کی طرف عامہ التوجہ ہونے کے سبب، التفات نہیں کرتے۔ لیکن ایک جسم سے کوئی دوسرا جسم بن جائے جس کی ان کو توقع نہ تھی۔ اور نہ وہ ان کو معلوم تھا۔ تو اس کو بڑا کارنامہ خیال کرتے ہیں۔ کبھی کوئی چیز ایک جنس میں خلافِ عادت شمار کی جاتی ہے۔ اور دوسری جنس میں اس کو ایسا نہیں سمجھا جاتا۔ جیسے گہری فراست، بڑی مسافت کو کم مدت میں طے کرنا مختلف صورتیں اختیار کرنا۔ اور دوسرے کے نفس میں تاثیر کرنا یہ سب ایسی چیزیں ہیں کہ جنہوں میں مالوف ہیں۔ اور ان کی طرف سے ایسا ہونا کچھ بھی تعجب کی باتیں نہیں ہیں۔ لیکن ان میں اگر کوئی ایک چیز بھی انسان سے صادر ہوتی ہے۔ تو اس کو بہت بڑی چیز سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ اس قسم کے واقعات ظاہر ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء میں سے کسی نبی کے لئے کسی وجہ سے ان کو معجزہ قرار دیتا ہے۔ جس کی یہ صورت ہوتی ہے، کہ نبیؐ اس واقعے کے ظہور سے پہلے ہی اس کی خبر دیتا ہے۔ یا وہ حادثہ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ سنتِ مجازات وغیرہ کے موافق ہوتا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ نے عاد اور ثمود کی قوم کو ان کے ان گناہوں کی وجہ سے ہلاک و برباد کیا، جو موجب ہلاکت تھے۔ پھر



اس کو اللہ تعالیٰ نے ہو اور صالح علیہا السلام کے لئے معجزہ کر دیا۔

ایک ایسے عالم نے جس کو علم الاتر اور حکمت طبیبی کی معرفت ہے، فرمایا ہے کہ چاند کا شوق ہونا۔ اس قسم کے معجزہ سے ہے کیونکہ یہ بھی قلبی الوقوع حادثہ تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے قرب قیامت کی علامت قرار دیا ہے۔ اور شوق القمر کو ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس لحاظ سے معجزہ بنایا کہ لوگوں نے آپ سے ایک علامت (معجزہ) کا سوال کیا تھا تو اللہ نے یہ خبر دی کہ ہم ان کو جلد نشانی دکھائیں گے جب چاند دو ٹکڑے ہو گیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ دکھایا۔ (اس میں) یہ ضروری نہیں ہے کہ اس کے دو ٹکڑے ہونا حقیقی چاند میں ہوا ہو۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ وہیں کی طرح یا ستارہ گرنے یا کسوف اور خسوف سے لوگوں کو جو (اور فضا) میں دکھائی دیا ہو۔ چنانچہ ان کے لئے عربی لغت میں وہ الفاظ استعمال کیے گئے۔ جو فی الواقع ان چیزوں کے لئے وضع کیے گئے ہوں۔ اور قرآن لغت عربی میں نازل ہوا ہے۔ اس کی نظیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود نے ذکر کیا ہے اور ان کی امتدانبیر سے لئے کافی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ لوگوں کو قحط سالی نے گھیر لیا۔ اور جب وہ دیکھتے تھے تو (بھوک کے مارے) ان کو آسمان میں دھواں دیکھنے میں آتا تھا۔ اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی۔

يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُّبِينٍ ۝

(یا دگر جب آسمان سے دھواں نمودار ہوگا۔)

ملہ بخاری نے اپنی صحیح میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کیا ہے کہ یہ اس لئے ہوا کہ جب قریش نے بنی کی نافرمانی کی تو آپ نے ان کے حق میں حضرت یوسف علیہ السلام کے دور کی قحط سالی کے لئے بددعا فرمائی۔ ان کو قحط اور تکلیف نے گھیر لیا۔ اور وہ طعام نہ ملنے کی وجہ رہا (الکحی ص ۱۰۱)



ابن ماجہوں نے جو کہ ائمہ ہدایت میں سے ایک امام ہیں، فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی ایک صورت سے دوسری صورت میں تجویل نہ ہوگی۔ لیکن لوگ ظاہر ہیں اس کو مختلف صورتوں میں مشاہدہ کریں گے۔ ابن ماجہوں نے یہ بھی کہا ہے کہ میری رائے میں اس حادثے کا سبب پانی کے صاف ملے ہوئے اجزا کا ایک سطح کی طرح جمع ہونا ہے۔ جس کے عقب میں حیل یا گاڑھا بادل ہو اور یہ آئینے کی طرح بن جاتا ہے۔ جس میں چاند کا عکس پڑے تو لوگ اس کو جو میں دو چاند دیکھیں گے۔ کبھی وہ منقطع ہوتا ہے جو آسمان میں نہیں ہوتا۔ اور کبھی اصلی چاند چھپ جاتا ہے۔ اور جو میں دو ٹکڑے نمودار ہوتے ہیں اور اس کی مثال چاند گرہن، سورج گرہن اور ستارے کے گرنے کی ہے بے شک نص میں آیا ہے کہ یہ سب آیات ہیں۔

میں (شاہ صاحب) کہتا ہوں کہ میں نے مذکورہ قول کو بطور امکان و احتمال ذکر کیا ہے۔ ورنہ تو اللہ کی قدرت بڑی وسیع ہے۔ والعلم عند اللہ تعالیٰ۔

تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس مسئلے اور اس کے متشابه متشابهات میں، جیسے خدا کے لیے ہاتھ کا ہونا، پیر کا ہونا اور جیسے کہ قیامت کی دوسری چیزیں ہیں، راہ راست یہ ہے کہ ان کے ظاہر کو دیکھا جائے اور ان کے وجود کی کیفیت میں مشغول نہ ہوا جائے۔ بہر حال یہ اعمق اور کھے جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے ارادہ فرمایا ہے، وہ حق ہے اور یہ نہ کہے کہ اللہ نے یہ ارادہ فرمایا اور یہ ارادہ نہیں فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ تم اس طرح دیکھو کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ کے صحابہؓ اور ان کے پیروکار تالبعین، یہ سب اس بحث

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سے بڑیاں کھانے لگے۔ اگر کوئی شخص آسمان کی طرف دیکھتا تھا تو بھوک کے مارے اس کو وہاں دیکھنے میں آتا تھا۔ اس کے حق میں یہ آیت "فارتقب یوم تاتی السماء بدمخان مبیین" نازل ہوئی۔



میں نہیں پڑتے تھے۔ جب فلسفیوں کے علوم کو معتزلہ نے پھرایا تو وہ ان مباحث میں مشغول ہو گئے۔ پھر اہل سنت نے ان علوم کو معتزلہ سے لیا۔ تو یہ بات ان میں بھی آگئی۔ ہم نے اپنے بعض کلام میں فلسفیوں سے معتزلہ کی اس چوری اور پھر اہل سنت کی معتزلہ سے چوری کی ایسی وضاحت کی ہے کہ اس سے زیادہ وضاحت نہیں ہو سکتی۔ تمہیں اس کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

دنیا میں جو عجیب واقعات ہوتے ہیں۔ ان کے جملہ اصول پر ہم کو تجھے آگاہ کرنا چاہیے۔ جانتا چاہیے کہ ہمارے نزدیک تمام عالم ایک شخص کی طرح ہے۔ اس کا ایک بدن ہے اور ایک نفس ہے جو اس سے متعلق ہے۔ اس کے بدن کے لیے نفس کی تدبیر کا انتظام بھی ایک ہی طرح کا ہے۔ موالیدار لبع یعنی معدن، نبات، حیوان اور انسان میں جو حوادث رونما ہوتے ہیں، ان سب کی مثال آئینہ میں عکس کی مثال ہے۔ عناصر میں ستاروں کی قوتوں کے اتصالات کی صورت کا عکس پڑتا ہے، کسی دوسری چیز کا عکس نہیں پڑتا اور جس طرح آئینے میں آنے والی صورت یا عکس میں صورت اور صورت والے دونوں کا حکم جمع ہوتا ہے۔ اسی طرح حوادث میں بھی ستاروں کے اتصالات اور عناصر دونوں کا حکم جمع ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ جب انسان کسی بھی آئینے میں دیکھتا ہے تو اس سے آئینے کے اندر انسان کی صورت کا ہی عکس آتا ہے۔ اس میں گھوڑے وغیرہ کا عکس نہیں آتا۔ اور اس میں انسان کے سر ہاتھوں، پاؤں، آنکھوں، کانوں اور ناک وغیرہ کی شکل آتی ہے، دم، سونڈ، کندھوں کے بال، سینگ اور گھروں کی صورت نہیں آتی۔ اور جب کوئی شے آئینے کے سامنے جوتی ہے تو آئینے کے موافق ہی اس



میں عکس پڑتا ہے۔ اگر آئینے کا عرض اس کے طول سے زائد ہے۔ یا طول اس کے عرض سے زائد ہے یا آئینہ مثلث ہے۔ یا سرخ رنگ کا ہے یا سبز رنگ کا ہے تو اس میں عکس بھی ویسا ہی پڑتا ہے چنانچہ رائی (دیکھنے والے) اور آئینہ کے لئے ایک کلی حکم ہے۔ اور دونوں ایک خاص چیز پر صادق آتے ہیں جو حادث کو بھی اسی طرح تصور کیا جائے۔ لہذا ان کی حقیقت کو وہ انسان واضح کر سکے گا، جو کہ ارضی طبائع اور ان کے خواص کے علم کا احاطہ رکھتا ہو۔ پھر حوادث میں ان پر نگاہ رکھے۔ وہ وہاں ایسا قبض اور بسط پائے گا جن کے ساتھ زیرین اسباب کی موافقت نہ ہوگی تو وہ لامحالہ فلکی اسباب کے ثابت کرنے کی طرف محتاج ہوگا۔ ایسے شخص کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ ستاروں اور ان کے ایسے کامل حکم کا بھی احاطہ کرتا ہو کہ اگر موافق نہ ہوں۔ تو یہ حکم محقق ہو جائے۔ پھر وہاں بھی اسی قبض و بسط کو پائے گا کہ وہ موافق کے خواص کے اثبات کے لئے مجبور کر دیں گے۔ اور جب تم نے ہماری مذکورہ بات کا یقین کر لیا۔ تو اب وقت ہے کہ ہم دوسرے سبب کا بھی ذکر کریں۔

جاننا چاہیے کہ ان دو سببوں کے علاوہ ایک تیسرا سبب بھی ہے جو کلی جسم کے لئے نفس کلید کی تدبیر کے انتظام سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کی مثال انسان کی ہے۔ اس کے لئے احکام ہوتے ہیں جو اس کی نوع سے پھوٹتے ہیں۔ یہ احکام اس کے جمیع افراد میں موجود ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر فرد انسانی کا راست قامت۔ صاف جلد ایسے ناخنوں، سننے والا اور ناطق ہونا ضروری ہے۔ اور اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ پہلے جنین، پھر بچہ، پھر لڑکا ہو۔ اس کے بعد جوان اور پھر بوڑھا اور آخر میں بڑھا فرتوت ہو۔ پس جب وہ طفل ہوتا ہے تو اس کا مزاج تراور عقل



کمزور ہوتی ہے۔ اور جب جوان ہوتا ہے تو اس کا مزاج خشک اور عقل قوی ہوتی ہے۔ پھر جب بوڑھا ہوگا تو اس کی اکثر قوتوں میں ضعف آتا ہے۔ اور اس پر رطوبت کا غلبہ ہوتا ہے۔ مرد عورت سے زیادہ غیرت مند زیادہ بہادر اور زیادہ عقل مند ہوتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

یہ سب احکام صورت نہ عیب سے کچھوٹتے ہیں۔ کیونکہ صورت وغیرہ ان سب میں حکم کلی کا تقاضا کرتی ہے جس میں کہ حکم کا ظہور ہوتا ہے۔ ہم نے جو کچھ بیان کیا یا اس کی طرف اشارہ کیا۔ یہ سب اس حکم کی تفصیل ہے۔ اس لئے ہر نوع کے لئے مختلف حکم ہوتا ہے اور کسی بھی نوع کا فرد اس حکم سے پیچھے نہیں رہتا۔

ہاں صرف ایک صورت میں ہو سکتا ہے جہاں بنیاد پر دیکھنے میں مادے کی نامرمانی ہو اسی طرح صورت اولیٰ یعنی نفس کلیدی بدن اعضا اور قوتوں میں حکم جاری ہوتا ہے، جو کبھی ان سے جدا نہیں ہوتا۔ اس کا ایک حکم یہ ہے کہ جب نوع انسان موجود ہو۔ اور اس کا مادہ جو کہ صفات کے لحاظ سے مختلف ہے، صورت کو قبول کرے تو یہ ضروری ہوتا ہے کہ (اس نوع کے) افراد کے احکام مختلف ہوں۔

ان میں سے کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں کہ انسانیت کے طبقے سے نکل کر ملکیت اور تجرد بحت کی طرف نہیں جاتے۔ اور نہ طبعی کدورتوں میں ڈوبے رہنے سے دور ہوتے ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ انسانیت سے ہمہمیت محض آلودگی اور ملکی لطافت سے دور رہنے کی طرف نہیں جاتے۔

یہ ضروری ہے کہ ان دونوں اقسام کے رنگ حظیرۃ القدس میں منطبق ہوں۔ جہاں نفس کلیدی کی تدبیر اس کے بدن کی طرف اترتی ہے۔ ضروری ہے کہ ان الوان کا حظیرۃ القدس



میں منطبق ہونا اترے والے فیض کو ایسے رنگ کے ساتھ متلون کر دے کہ وہ رنگ  
 حکم صریح معتدل سے کسی قدر مخالفت رکھتا ہو۔ اسی طرح اوپر پڑنے والے نیچے  
 اترنے میں یہ امر دائرہ ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس نوع کے ختم ہونے کا فیصلہ اترے  
 بلکہ جملہ حیوانات اور نباتات ختم ہو جائیں۔ پھر قضا ایسے فلکی اتصال اور ارضی ہیئت کا  
 انتظار کرتی ہے کہ یہ دونوں اس (قضا) کا تقاضا کریں۔ جب یہ ہوگا تو قیامت کا ہونا  
 بھی ضروری ہوگا۔ یہ حکم ہے نفس کلی اور اس تربیت کا جس کو وہ مقتضی ہے۔  
 اسی طرح جب اکثر انسان شیطنت اور بہمیدت کو اختیار کرتے ہیں۔ اور ان  
 کے شر کو کوئی روکنے والا نہیں ہوتا تو ایک رسول کے بھیننے اور کتاب کو نازل کرنے  
 کے لئے حفیظۃ القدس میں فیصلہ ہوتا ہے۔ پھر قضا کی اور منہم شخص کے وجود کا انتظار  
 کرتی ہے۔ یہ شخص ایسا ہوتا ہے جس کے نفس میں ستاروں کی قوتیں اس طرح جمع  
 ہوتی ہیں کہ وہ نعت کے ظہور اور پیام کا موجب بنتی ہیں۔ لوگوں کو ہدایت ہوتی ہے۔ ان  
 کے قلوب کی تابیف ہوتی ہے۔ اور علوم کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ایسا ہوتا ہے تو قضا اس  
 کے سینے میں جوش مارتی ہے۔ اور غیب اور شہادت کے درمیان متوسط موطن میں شریعت  
 اور ہدایت کا مثل ہوتا ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و احکام شریعت کے  
 لئے مادہ ہوتے ہیں۔ لیکن جیسے وہ نہیں ہوتے۔ وہ صورت علمیہ کے ساتھ زیادہ مشابہت  
 رکھتی ہے۔ کیونکہ جب تو انسان کا تصور کرے گا تو تیرے ذہن میں انسان کی صورت  
 آئے گی۔ اور یہ صورت خود انسان نہیں ہے۔ لیکن یہ اس کا منظر اور منظر شہود ہوگی اور  
 اسی سے لی ہوئی ہوگی۔ پس اگر تم صورت کو اس خیال سے دیکھو گے کہ یہ عرضی شے  
 ذہن کے ساتھ قائم ہے تو وہ انسان کی حقیقت سے بالکل دور ہو جائے گی۔



اور اگر تم صورت کو دیکھ کر اس سے اس کے مراء انسان کی حقیقت تک پہنچ جاؤ گے تو اس وقت تمہاری توجہ صرف حقیقت انسانی کی طرف ہوگی۔ اور صورت آئینے کے مانند ہو جائے گی۔ جس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح شریعت بھی ایک طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال میں داخل ہے تو دوسرے لحاظ سے اس سے خارج ہے۔ اور اس سے متعلق ہے۔ ہم اس پر تدلی کا حکم نہیں لگاتے، یہ تنزل ہے ایک لحاظ سے اس حقیقت کا جو نبی الانبیاء سے موسوم ہے۔ تمہیں اس میں تدبیر کرنا چاہیے۔ خلاصہ یہ کہ نفس کلیہ کے جسد میں یہ نظم ملحوظ رہتا ہے۔ جس طرح کہ افراد میں نوع کی تدبیر ملحوظ رہتی ہے۔ چنانچہ حواش کے سلسلے میں جو کچھ بھی ہونا ہے وہ اسی کے مطابق ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

باقی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ حالات جن کا تعلق آپ کی عادات و خصائل اور اسفار سے ہے، یہ سب اس میں آجاتے ہیں کہ آپ احسن تقویم والے مبارک اور حلیۃ القدس کی طرف سے نوید تھے۔ اس لیے ان چیزوں میں اپنے بنی نوع سے ممتاز تھے۔ اس رسالے میں جن علوم کے لانے کا ہم نے ارادہ کیا تھا یہ اس کا خاتمہ ہے۔

والحمد لله رب العالمین وحسبى الله و نعم الوکیل وصلى  
الله على سيدنا محمد وآله واصحابه اجمعين ۞



# شاہ ولی اللہ اکیڈمی

## اغراض و مقاصد

- ۱ - شاہ ولی اللہ کی تصنیفات آن کی اصلی زبانوں میں اور آن کے تراجم مختلف زبانوں میں شائع کرنا۔
- ۲ - شاہ ولی اللہ کی تعلیمات اور ان کے فلسفہ و حکمت کے مختلف پہلوؤں پر عام فہم کتابیں لکھوانا اور آن کی طباعت و اشاعت کا انتظام کرنا۔
- ۳ - اسلامی علوم اور بالخصوص وہ اسلامی علوم جن کا شاہ ولی اللہ اور آن کے مکتب فکر سے تعلق ہے، آن پر جو کتابیں دستیاب ہو سکتی ہیں، انہیں جمع کرنا، تاکہ شاہ صاحب اور آن کی فکری و اجتماعی تحریک پر کام کرنے کے لئے اکیڈمی ایک علمی مرکز بن سکے۔
- ۴ - تحریک ولی اللہی سے منسلک مشہور اصحاب علم کی تصنیفات شائع کرنا، اور آن پر دوسرے اہل قلم سے کتابیں لکھوانا اور آن کی اشاعت کا انتظام کرنا۔
- ۵ - شاہ ولی اللہ اور آن کے مکتب فکر کی تصنیفات پر تحقیقی کام کرنے کے لئے علمی مرکز قائم کرنا۔
- ۶ - حکمت ولی اللہی اور اس کے اصول و مقاصد کی نشر و اشاعت کے لئے مختلف زبانوں میں رسائل کا اجرا۔
- ۷ - شاہ ولی اللہ کے فلسفہ و حکمت کی نشر و اشاعت اور آن کے سامنے جو مقاصد تھے، انہیں فروغ دینے کی غرض سے ایسے موضوعات پر جن سے شاہ ولی اللہ کا خصوصی تعلق ہے، دوسرے مصنفوں کی کتابیں شائع کرنا۔